بسم اللہ الرحمٰن ا لرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

چوہدری محمد علی نمبر

نومبر۔دسمبر ۲۰۱۵

نگران۔ پروفیسر چوہدری حمید احمد۔ صدر تعلیم لاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔ جرمنی

چیف ایڈیٹر: چوہدری محمد کولمبس خاں

ایڈیٹوریل بورڈ: چوہدری انیس احمد۔ میجر عبدالوحید رانا۔ منیر احمد باجوہ۔

مینیجر: چوہدری عبدالغفور ڈوگر

ترتیب وڈیزائن: محمد ظہیر احمد

پرنٹنگ: رانا محمد اصغر خان (A.K Print and Layout Service)

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	احکام خداوندی۔ حدیث نبوی	۱
۲	کلام الامام، امام الکلام	۲
۳	ارشادات حضرت امیر المومنین ایّدہ اللہ تعالیٰ	۳
۴	پیش لفظ ۔ پروفیسر حمید احمد چوہدری۔ صدر ایسوسی ایشن و نگران المنار	۴
۵	اداریہ: چوہدری محمد کولمبس خان، مدیر اعلیٰ	۸
۶	ولقد یسرنا القرآن :ڈاکٹر سید محمد خیر البشر۔ کینیڈا	۹
۷	محمد علی میموریل انٹر نیشنل مشاعرہ رپورٹ	۱۲
۸	محمد علی میموریل انٹر نیشنل باسکٹ بال ٹورنامنٹ۔ رپورٹ سعید احمد ناز	۱۸
۹	تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی چند خوشگوار یادیں ۔ انجینئر محمود مجیب اصغر، پاکستان	۲۱
۱۰	آؤ مضطرؔ کا ذکر خیر کریں۔۔۔مر کے بھی جو حیات ہے یارو ۔ رانا عبدالرزاق۔لندن	۲۵
۱۱	یادِ رفتگاں ۔ محمد اسحاق اطہر خان	۲۷
۱۲	ہجرت ۔ میجر عبدالوحید ظفر رانا	۲۸
۱۳	قرار داد تعزیت بر موقع وفات مکرم محترم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب مرحوم	۴۲
۱۴	چوہدری محمد علی مظطر عارفی صاحب کی یاد میں ۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان	۴۳
۱۵	بیاد چوہدری محمد علی صاحب مضطر عارفی ۔پروفیسر مبارک احمد عابد	۴۶
۱۶	میرے محسن میرے ہمدرد استاد ۔عبدالشکور بھٹی	۴۷
	انگریزی جرمن سیکشن	

ارشادِ باری تعالیٰ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيٰتٍ لِّأُوْلِي الأَلْبَابِ
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

سورۃ آلِ عِمران آیات 191.192

ترجمہ: یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں صاحبِ عقل لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے بھی اور بیٹھے ہوئے بھی اور اپنے پہلوؤں کے بل بھی اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔
(اور بے ساختہ کہتے ہیں) اے ہمارے ربّ! تُو نے ہر گز یہ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ پاک ہے تُو۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

In der Schöpfung der Himmel und der Erde und im Wechsel von Nacht und Tag sind in der Tat Zeichen für die Verständigen. Die Allahs gedenken im Stehen und Sitzen und wenn sie auf der Seite liegen und nachsinnen über die Schöpfung der Himmel und der Erde: „Unser Herr, Du hast dies nicht umsonst erschaffen; heilig bist Du; errette uns denn vor der Strafe des Feuers.
(Aal e Imraan 191-192)

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَبْدِاللهِ ابْنِ عُمْرَ وَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ لَمْ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا

(ابوداؤد۔ بحوالہ چالیس جواہر پارے نمبر 13)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:
جو شخص ہم میں سے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہم میں سے بڑوں کا حق نہیں پہچانتا۔ اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں

Erzählt von Hazrat Abdullah Ibn e Omer, Allah sei erfreut durch ihn:
Der Prophet Allahs, Friede und Segnungen Allahs seien auf Ihn, sagte:
„Jemand, der nicht barmherzig gegenüber unseren Jüngeren ist und nicht die Rechte der Älteren anerkennt, gehört nicht zu uns.
(Abu Daud, Vierzig schöne Edelsteine Nr. 13)

کلام الامام، امام الکلام

"عبادت کے دو حصّے تھے۔ایک وہ جو انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو ڈرنے کا حق ہے۔خدا تعالیٰ کا خوف اِنسان کو پاکیزگی کے چشمہ کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اس کی رُوح گُداز ہو ہو کر الوہیت کی طرف بہتی ہے۔اور عبُودیت کا حقیقی رنگ اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔دوسرا حصّہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان خدا سے محبت کرے جو محبت کرنے کا حق ہے۔اسی لئے فرمایا ہے۔ وَٱلَّذِينَ اٰمَنُوٓاْ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (البقرة: 166) اور دنیا کی ساری محبتوں کو غیر فانی اور آنی سمجھ کر حقیقی محبوب اللہ تعالیٰ ہی کو قرار دیا جاوے۔یہ دو حق ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی نسبت انسان سے مانگتا ہے۔ان دونوں قسم کے حقوق کے ادا کرنے کے لئے یُوں تو ہر قسم کی عبادت اپنے اندر ایک رنگ رکھتی ہے مگر اسلام نے دو مخصوص صورتیں عبادت کی اس کے لئے مقرر کی ہوئی ہیں۔خوف اور محبت دو ایسی چیزیں ہیں کہ بظاہر اُن کا جمع ہونا محال نظر آتا ہے کہ ایک شخص جس سے خوف کرے اس سے محبت کیونکر کر سکتا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت ایک الگ رنگ رکھتی ہے جس قدر انسان خدا کے خوف میں ترقی کرے گا اسی قدر محبت زیادہ ہوتی جاوے گی اور جس قدر محبتِ الٰہی میں ترقی کرے گا اِسی قدر خدا تعالیٰ کا خوف غالب ہو کر بدیوں اور برائیوں سے نفرت دِلا کر پاکیزگی کی طرف لے جائے گا۔

پس اسلام نے ان دونوں حقوق کو پورا کرنے کے لئے ایک صورت نماز کی رکھی ہے جس میں خدا کے خوف کا پہلو رکھا ہے۔اور محبت کے اظہار کے لئے حج رکھا ہے۔خوف کے جسقدر ارکان ہیں وہ نماز کے ارکان سے بخوبی واضح ہیں کہ کس قدر تذلّل اور اقرارِ عبُودیت اس میں موجود ہے۔اور حج میں محبت کے سارے ارکان پائے جاتے ہیں"

(ملفوظات جلد۳ صفحہ ۲۹۹)

ارشادات حضرت امیر المومنین ایّدہ اللہ تعالیٰ

میٹنگ ہمراہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی مورخہ 26 اگست 2005

سیّدنا حضرت امیر المومنین ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کے ہمراہ میٹنگ میں فرمایا:

"اب ماشاء اللہ آپ لوگوں میں پڑھنے کا رجحان پیدا ہوا ہے۔ صرف ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو نوبل انعام ملا تھا۔ اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اگلی صدی میں جماعت احمدیہ کے پاس اتنے سائنسدان ہونے چاہئیں جو ان کے نقش قدم پر چلیں۔۔۔اب یہاں جرمنی میں جو رجحان پیدا ہوا ہے اور سیکریٹری صاحب تعلیم نے رپورٹ دی ہے کہ اتنے طلبا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہاں فیس بھی کم ہے اور تعلیم بھی سستی ہے اِس لئے اِس موقع سے آپ سب کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔۔لڑکیاں تو محنت کر کے پڑھائی کر لیتی ہیں لیکن لڑکوں میں جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے رُجحان کم ہے۔لازمی تعلیم کے حصول کے بعد کوئی ہنر سیکھنے کی طرف چلے جاتے ہیں۔احمدی سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کا لجز اور یونیورسٹی کے طلبا کو آرگنائز کرے۔۔عموماً رجحان ہو گیا ہے کہ آسان سا مضمون لیا جائے اور جلدی پڑھائی کو ختم کیا جائے۔۔میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔کمپیوٹر میں بھی جاتے ہیں تو کمزور شعبہ میں جاتے ہیں۔ گرافکس میں جاتے ہیں۔اس کا اتنا فائدہ نہیں ہے۔کمپیوٹر انجنیئرنگ میں جانا چاہیئے۔۔۔اپنی محدُود سوچ رکھ کر نہیں کرنی۔اپنی سوچ کو وسیع کرنا ہوگا۔تو اُمید ہے انشاء اللہ اس سوچ سے آپ کریں گے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خواہش تھی کہ ہمیں اتنے سائینسدان میسّر آجائیں۔تو وہ جرمنی سے ہی میسّر آجائیں۔خدا تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق دے۔آمین۔۔ایک احمدی طالبعلم کو اپنا کام دعا سے شروع کرنا چاہئے۔پڑھائی کریں اور دعا کریں۔امتحانات ہوتے ہیں تو پرچہ شروع کرنے سے پہلے دعا کریں۔یہ دوسروں کے لئے آپ کی انفرادیت ہو گی۔کہ آپ ہاتھ اٹھا کر پرچہ شروع ہونے سے قبل دعا کرتے ہیں۔"

(بحوالہ مشعل راہ جلد پنجم حصّہ سوم صفحہ 83تا84 الفضل انٹرنیشنل 23تا30 ستمبر 2005)

پیش لفظ

الحمدللہ۔ ثم الحمدللہ کہ ایک بار پھر اللہ تعالیٰ نے المنار آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ شمارہ ہمارے پیارے استاد محترم چوہدری محمد علیٰ صاحب مرحوم کی یاد کے لئے وقف کیا جارہا ہے۔ چوہدری صاحب مرحوم اپنی ذات میں ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ اپنے زمانہ طالب علمی میں اپنے استاد حضرت قاضی محمد اسلم صاحب کے ذریعہ، ان کے اخلاق حسنہ دیکھ کر احمدی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی علمی اور ذہنی قابلیت عطا فرمائی تھی۔ اگر دنیاوی کیریر اختیار کرتے تو دنیاوی لحاظ سے بہت ترقی کرتے۔ مگر انہوں نے عین جوانی میں خدمت دین کا فیصلہ کیا اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ وہ تعلیم الاسلام کالج کے بانی اساتذہ میں سے تھے۔ خلافت کی اطاعت اور خلیفۃ المسیح سے محبت

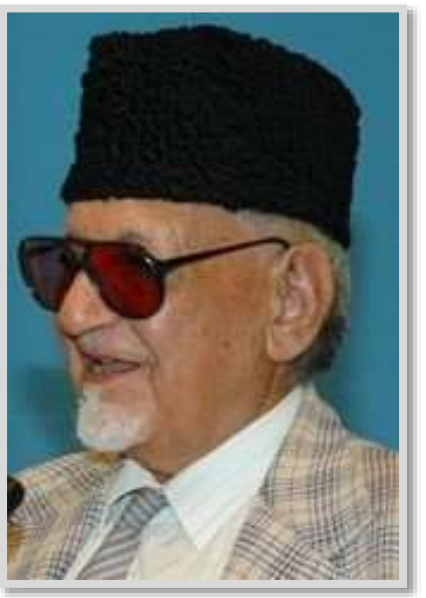

تو ہر احمدی کا جزو ایمان ہے مگر چوہدری صاحب تو نہ صرف خلافت احمدیہ کے عاشق تھے ان کو خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے ہر فرد اور بچے بچے سے بے مثال محبت تھی۔ تعلیم الاسلام کالج میں تعیناتی کے دوران کالج کے بانی پرنسپل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے جو کام بھی ان کے سپرد کیا انہوں نے دل و جان سے محنت کر کے اس کا حق ادا کیا۔ تدریسی کام کے علاوہ وہ لمبا عرصہ فضل عمر ہوسٹل کے وارڈن رہے۔ اس حیثیت میں وہ ایک مثالی ایڈمنسٹریٹر اور مربی تھے۔ قادیان میں انہوں نے swimming کا چارج لیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں بہترین ٹیم تیار کر لی ۔ کالج لاہور آیا تو روئنگ کے انچارج بنائے گئے انہوں نے بہت جلد کالج کی روئنگ ٹیم کو پنجاب یونیورسٹی چمپئن بنا دیا اور پھر یہ اعزاز برسوں برقرار رکھا۔ وہ ہائکنگ کے انچارج تھے تو ہمارا ہائکنگ کلب پاکستان کے بہترین وہائکنگ کلبوں میں شامل تھا۔ سب سے آخر میں ان کو باسکٹ بال کا چارج دیا گیا۔ انہوں نے زندگی بھر کبھی باسکٹ بال نہیں کھیلا تھا مگر ذمہ داری سنبھالتے ہی کالج کی ٹیم کو ملک کی بہترین ٹیم بنا دیا۔ مجھے اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہم میں سے ہر فرد جانتا ہے کہ باسکٹ بال میں کالج کی کیا پوزیشن تھی۔ خاکسار کو چوہدری صاحب مرحوم کے ساتھ لمبا عرصہ روئنگ، ہائیکنگ، المنار حتیٰ کہ کسی قدر باسکٹ بال میں بھی کام کرنے کا موقع ملا اور یہ میرے لئے اعزاز تھا۔ میں نے ان کے ساتھ کالج کے کاموں کے سلسلہ میں کئی یادگار سفر کئے۔ وفات سے دو دن قبل تک میری ان سے فون پر بات ہوتی رہی۔ مجھ پر تو ان کے بڑے ذاتی احسانات ہیں۔ ان کی یادوں کے تذکرے کسی قدر اس شمارہ میں کئے گئے ہیں اور آئندہ بھی انشاءاللہ ہوتے رہیں گے۔ میں یہاں ایسوسی ایشن کی سال رواں کی کارکردگی کا مختصر ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

دوران سال ایسوسی ایشن کی ایڈوائزی کمیٹی کے کم از کم اجلاس ہوئے۔ دس لاکھ پچاس ہزار روپیہ مستحق طلباء کے لئے سکالرشپ فنڈ میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انٹرنیشنل مشاعرہ اور انٹرنیشنل باسکٹ بال ٹورنامنٹ منعقد کرایا گیا۔ اس کے علاوہ المنار انٹرنیٹ کے علاوہ طبع بھی کرایا جاتا ہے۔ ان تمام امور کو سرانجام دے سکنے کا اصل راز تو حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی سرپرستی اور دعاوں میں ہے جن کی بدولت ہم خلافت کی رسی میں بندھ کر ایک ٹیم بن کر کام کر رہے ہیں۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولادوں کو ہمیشہ خلافت احمدیہ کے ساتھ وفاء کا تعلق قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اس سال پھر حضرت خلیفہ المسیح الخامس نے ایدہ اللہ نے ہمیں یہ اعزاز عطا فرمایا کہ ایڈوائزی کمیٹی اور ایک سال کے ایک طالب علم کا مکمل خرچ ادا کرنے والے دوستوں کے ساتھ فوٹو بنوائیں۔

ساتھ ساتھ میں اپنے تمام دوستوں کا بھی مشکور ہوں جو ممبر شپ کے حوالے سے ایسوسی ایشن کی سے منسلک ہیں اور خاص کر وہ مہربان دوست جو ممبر شپ فیس سے بہت بڑھ کر سکالرشپ فنڈ میں مالی حصہ ڈالتے ہیں۔ ان میں جرمنی میں مقیم ہمارے سابق طلباء بھی شامل ہیں اور جرمنی سے باہر بھی۔ عرصہ زیر رپورٹ میں جرمنی میں مقیم طلباء میں مکرم داؤد احمد چیمہ، مکرم حبیب اللہ طارق، مکرم سعید احمد ناز، مکرم میجر ریٹائرڈ عبدالوحید ظفر رانا۔ مکرم شیخ منصور احمد، مکرم ڈاکٹر نعیم احمد طاہر، مکرم چوہدری انیس احمد، مکرم چوہدری نصیر احمد، مکرم راجہ عبدالرشید جاوید، مکرم عبدالشکور بھٹی، مکرم چوہدرری فاروق احمد، مکرم عندالحنان ڈوگر، مکرم محمد اکرام رانجہ، مکرم حبیب احمد، مکرم چوہدری عبدالغفور ڈوگر، مکرم عطاءالجبار مہدی آباد، مکرم سید محمد احمد گردیزی، محمد رزاق مہدی آباد، مکرم محمود احمد، مکرم غضنفر محمود صاحب کاہلوں، مکرم معاذاللہ بھٹی، مکرم سید شکیل احمد، مکرم نصیر احمد چیمہ، مکرم مبشر احمد شاہین، مکرم فہد پرویز،

بیرون از جرمنی اور دوست جو کالج کے سابق طالب علم نہیں: مکرم محمود احمد لون مقیم چین۔ مکرم سید الیاس بشیر احمد ہالینڈ، مکرم ڈاکٹر مظفر احمد پاکستان۔ مکرم چوہدری زندہ محمود باجوہ امریکہ، مکرم ڈاکٹر محمود احمد طاہر۔ مکرم طارق محمود منجانب دادا چوہدری مولا بخش صاحب مرحوم۔ مکرم مولانا حیدر علی ظفر، مکرم ظہیر احمد، مکرم طارق گلفام ملک،

پچھلے دو سالوں کی سب سے بڑی کامیابی ہمبرگ کے علاقہ میں ایسوسی ایشن کی وسعت اور اس کا مضبوطی سے قیام ہے جس کا تمام تر سہرا ہمارے پیارے بھائی محترم چوہدری منیر احمد باجوہ، جو ایسوسی ایشن کے نائب صدر ہیں، کے سر ہے جنہوں نے بہت پیار اور محنت کے ساتھ بہت سے دوستوں کو ایسوسی ایشن کی ممبر شپ ادا کرنے اور سکالرشپ فنڈ میں حصہ لینے پر قائل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش میں برکت دے اور اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ رسالہ المنار کے لحاظ سے میں مدیر اعلیٰ مکرم محترم چوہدری محمد کولمبس خان صاحب کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔ وہ انتہائی محنت اور علمی قابلیت سے رسالہ تیار کرتے ہیں اور اور بہت کا حصہ خود ہی کمپوز بھی کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ میں مکرم محمد ظہیر احمد صاحب کی بے لوث خدمات کا اعتراف کرنا اور ان کے لئے دعا کی درخواست کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان کی ماہرانہ محنت کے بغیر یہ رسالہ نہ انٹرنیٹ پر آسکتا ہے نہ چھپ سکتا ہے۔

اداریہ

قارئین کرام!

المنار آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ پاکستان کے ایک نامور اور حساس شاعر منیر نیازی اپنی ایک نظم میں ایک مصرعہ ہر بند کے آخر میں لکھتے ہیں

؎ ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں

کے مصداق المنار پیش کرنے میں ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں۔ اس دوران بڑی تعداد میں دوستوں کے فون بھی آئے اور براہ راست ملاقاتوں میں بھی محبت آمیز شکوہ کیا کہ وہ کیا ہوا تیرا وعدہ۔ اس سے پیشتر ایک رسالہ تیاری کے آخری مراحل میں تھا کہ پروفیسر مکرم چوہدری محمد علی صاحب کی رحلت کی خبر آگئی۔ انّاللہ وانّاالیہ راجعون۔ جس کے بعد المنار کو نئے سرے سے محمد علی نمبر شائع کرنے کا پروگرام بن گیا۔ اب یہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

جرمنی میں حضرت امیر المومنین ایّدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل میں ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کو اس لحاظ سے وسعت دی گئی ہے کہ نئی نسل کو جنہوں نے اِس کالج سے براہِ راست استفادہ نہیں کیا انکو بھی اِس ایسوسی ایشن کی ممبر شپ دی جاتی ہے۔ اصل غرض ان روایات کا تحفظ اور اگلی نسلوں میں ان کا اجراء ہے جن کی وجہ سے تعلیم الاسلام کالج ایک لمبے عرصہ تک احمدی اور غیر احمدی طلبہ کے لئے نہ صرف بہترین دنیاوی تعلیم بلکہ اخلاق سیکھانے والے ادارہ کے طور پر مشہور و معروف تھا۔ اس کالج میں اچھے کاموں میں آگے بڑھنے کی جہاں ایک طرف مکمل آزادی تھی وہیں اس دور میں رائج بدامنی پیدا کرنے والی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔ اس کا نیک اثر آج بھی دنیا بھر میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مکرم محترم چوہدری محمد علی صاحب کی شخصیّت تہہ در تہہ تھی اور انکی شاعری ان کی شخصیّت میں محض ایک جزوی پہلو تھی۔ پاکستان میں ان سے فاصلہ پر ہی ملاقات رہی البتہ ایک بار جرمنی آئے اور غریب خانہ کو بھی اعزاز بخشا پھر صرف فون پر ہی رابطہ رہا۔ خود فون کر کے بھی دعاؤں سے نوازتے رہے۔ ان کی شخصیّت میں آنسوؤں کا ایک عنصر نمایاں ہے۔ لیکن یہ آنسو ایک ایسے عرفان کا اظہار تھے جس پر وہ بے بس تھے۔ اس رقیق القلبی کے باوجود وہ نام کے ہی نہیں بلکہ دل کے بہادر چوہدری تھے اور حسبِ موقع شجاعت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ جس کی ایک مثال 1974 میں پولیس جب فضل عمر ہوسٹل سے تعداد پوری کرنے کی غرض سے طلبہ کو گرفتار کرنے آئی تو افسران کو ڈانٹ کر وہاں سے نکال دیا۔ انکی بات کے اندر ہی رعب ہوتا تھا۔

مکرم چوہدری صاحب کی سیرت کا ایک پہلو جو محبت کے عرفان اور اپنے محبوب پر دل و جان سے قربان ہونا ہے۔ اور اس کے اظہار میں کسی تردّد یا تکلّف نہیں برتا بلکہ صاف اور سیدھے لفظوں میں کہہ گئے

؎ سانوں جتھے آکھیا یار نے اسیں اوتھے رہے کھلو

یہ شعر اکثر لوگوں کے علم میں ہے اور زبانوں پر آتا بھی رہتا ہے۔ اسکی گہرائی میں اُتر کر محسوس کرے تو انسان ہر روز اپنے محبوب حقیقی کے احسانات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے احکامات کی تعمیل یا تعمیل میں غفلت سے اپنے معاملے میں آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔ محترم چوہدری تمام عمر اس شعر کے موافق اطاعت کے اعلیٰ مقام پر قائم رہے۔ آپ کی یاد میں ایک مشاعرہ ایسوسی ایشن کی ادبی سرگرمی جس میں دوسرے ممالک سے بھی بزرگ سابق طلبہ تشریف لائے تھے۔ اس کی بھی تفصیل اس میں شامل ہے۔

ٹی آئی کالج ایسوسی ایشن جرمنی کو گزشتہ سالوں میں حضرت خلیفۃ المسیح ایّدہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی عطا ہوتی رہی ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ اس خوشنودی کے مقام پر فائز رہنے کے لئے پہلے سے بڑھ کر آپس میں پیار اور سلوک کے ساتھ نیک روایات کو زندہ رکھنے کے لئے اپنی نئی نسلوں کو ان سے متعارف کرواتے رہنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولقد یسرنا القرآن

کم لائق کم فائق TEACHERS/LEARNERS کے لئے آسان ناظرہ قرآن:

یعنی مفید ترنیا EASIEST & INSTANT

رنگ برنگ عربی رسم الخط

Dr. Syed Mohammad Khairulbashar Ph.D. (Education) Canada

(محترم ڈاکٹر سید محمد خیر البشر صاحب، جو آج کل کینیڈا میں مقیم ہیں، تعلیم الاسلام کالج کے اولین طلباء میں سے تھے۔ وہ ہمارے استاد محترم پروفیسر مبارک احمد صاحب انصاری کے ہم جماعت تھے۔ پیشہ کے لحاظ سے انجنیر ہیں۔ 1971 کی ہندو پاکستان جنگ کے دوران پاکستان آرمی میں لفٹیننٹ کرنل ے تھے اور مشرقی پاکستان میں تعینات تھے۔ اور باقی فوج کے ساتھ ہندوستان کی قید میں رہے۔ ڈاکٹر خیر البشر نے دوران اسیری کا یہ عرصہ قران کریم کی تلاوت کے علاوہ اس کے رسم الخط کو سیکھنے کے لئے آسان بنانے کی تحقیق میں خرچ کیا۔ المنار کے کسی پچھلے شمارہ میں ان کو ایک مضمون شائع کیا جاچکا ہے۔ ان کی یہ تحریر اسی موضوع کی ایک کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر۔ صحت اور علم میں برکت دے)

1۔ خدائے رحمان کا وعدہ ہے۔ 'ہم نے قرآن آسان فرمایا'۔ چنانچہ اس وعدہ کے تحت ناظرہ قرآن کو (بھی) آسان کئے جانے کا عملِ مسلسل، صدیوں سے جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ انشاءاللہ

2۔ مثلاً ۱۹ ویں صدی کے آخیر میں، یعنی سلسلہ احمدیہ کی پہلی صدی میں، حضرت پیر منظور محمدؓ کی بے نظیر ایجاد 'کتابت یسرنا القرآن' ناظرہ قرآن کے استادوں اور شاگردوں کے لئے نہایت مفید اور دوستانہ ثابت ہوئی ہے۔ پیر صاحبؓ نے اپنے قاعدہ یسرنا القرآن میں مشکل عربی الفاظ کی ادائیگی، یعنی ان کی اصل تلاوت ذہن نشین کرنے کے لئے 'ان کی آوازوں کو اردو حروف میں Transliterate کر کے 'ایک جدت کا آغاز کیا ہے۔

3۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ عربی الفاظ اور عبارتوں کو Roman حروف میں لکھ لکھ کر یعنی Transliterate کر کے تلاوت، ناظرہ اور حفظ قرآن سیکھنا اور سکھانا عام ہوتا چلا گیا ہے۔

4۔ جماعت احمدیہ کا نہایت بابرکت فکر و عمل یہ ہے کہ قاعدہ یسرنا القرآن، قرآن کریم پڑھنا سیکھنے کے لئے سادہ، آسان، مفید تر اور بہترین ہے۔ خاکسار ۱۰۰ فی صد اسی سوچ و سمجھ کا ہم خیال ہے۔ خدا کی مہربانی سے 'الفضل لندن (14 نومبر 2003) میں' خاکسار کا ایک ایسا مضمون شائع ہوا تھا۔ پھر یہی مضمون الفضل ربوہ، بدر قادیان اور دیگر رسالوں میں Repeat ہوا ہے۔

5۔ جماعت احمدیہ میں یہ نظام بھی جاری ہے کہ عملاً ہر احمدی کو قاعدہ یسرنا القرآن اور اس کے رسم الخط پر قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے۔ البتہ وہ کم نصیب بچے، جوان اور بوڑھے جو یسرنا القرآن سسٹم پر بد دل، بیدل اور سست ثابت ہوں، تو انہیں Roman Arabic

Transliteration یعنی RAT پر لگایا جاتا ہے۔بے شک RAT بھی ایک نعم البدل طریقہ تعلیم ہے، جو کئی مفید نتائج پیدا کرتا ہے۔

6۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عربی عبارت کی تلاوت کے دوران ہر عربی حرف ذیل کی تین صورتوں میں سے اکسی ایک ہی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔

1۔ وہ اکیلا بولا جاتا ہے۔

2۔ وہ اگلے حرف کے ساتھ مل کر جوڑی بناتے ہوئے بولتا ہے۔

3۔ وہ خاموش ہے نہیں بولتا ہے۔

یہی تین صورتیں عربی اعراب کی بھی ہیں۔ماضی قریب تک ہر قاری کی مشکل اور کٹھن ترین ذمہ داری یہ رہی ہے کہ وہ اپنے علم و عقل اور تجربہ کے بل بوتے پر ٹوٹل قرآن مجید میں ہر ہر حرف کی صوتی ادائیگی کی اصل صورت از خود معلوم کرے۔ پھر اپنے (صحیح یا غلط) فیصلہ کے مطابق قاری ہر ہر حرف ادا کرے اور ناظرہ قرآن جاری رکھے۔

7- بیشتر مسلمان تمام عمر، اس بوجھل ذمہ داری کو نبھاتے ہیں۔ناظرہ قرآن سیکھتے، پڑھتے اور سکھاتے ہیں۔البتہ کچھ نو عمر، ماڈرن، آرام پسند، تن آسان Smart Readers اس روایتی اور تاریخی ذمہ داری سے گھبراتے ہیں اور بچنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے لئے بلکہ سب کے لئے

Custom Designed , Ready Made , Instant , Direct and Easiest Solutions

وغیرہ چاہتے ہیں اور مانگتے ہیں۔تاکہ ان میں سے ہر ایک کی ذمہ داری، مشقت اور غلطیاں ختم ہو جائیں اور ہر ایک کا ناظرہ قرآن رواں تر اور بہتر ہو جائے۔(آمین ثم آمین)

8- دسمبر 1971ء میں، ہندوستان کی فوج نے مشرقی پاکستان پر حملہ کیا، قبضہ کیا، مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کا نام دیا اور وہاں موجود کل پاکستانی فوجیوں کو ہندوستان کے جنگی قیدی بننا پڑا۔اس غمگیں اور افسوس ناک دن اِس عاجز نے حوصلہ کیا، فیصلہ کیا، عزم کیا اور پھر اپنے ماتحت پاکستانی فوجیوں کو حوصلہ دیا، حوصلہ قائم رکھنے کی تلقین کی اور انہیں درخواست کی کہ وہ اپنی قید کے دوران اپنی اپنی دینی، ایمانی اور عملی کمزوریاں دور کریں اور اپنی روحانی ترقیات کے لئے جدوجہد کریں تاکہ جب ان کی قید ختم ہو تو ہر ایک ایک اچھا انسان بلکہ بہتر مسلمان بن چکا ہو۔(آمین)

9- مسیح موعود علیہ السلام کی زمین ہند میں، جنگی قیدی کیمپ نمبر 41 میں، اس عاجز سمیت 46 پاکستانی افسران قید رکھے گئے تھے۔ ہم میں سے 37 فی صد یعنی 17 پاکستانی افسران نے یا تو قرآن پاک سیکھا ہی نہ تھا یا انہوں نے تکمیل قرآن و آمین وغیرہ کی توفیق نہ پائی تھی۔ خاکسار کی نیت، ہمت اور منت کی وجہ سے یہ تمام 17 (غیر احمدی) افسران نے مجھ ایسے نالائق ناتجربہ کار (احمدی انجنیر میجر صاحب) سے ناظرہ قرآن سیکھنا اور قرآن حکیم کا دور مکمل کرنا قبول کیا۔الحمدللہ۔

10- گویا خدائے کریم کا یہ غیر معمولی احسان ہوا کہ ایک انجنیر میجر جو پاکستان آرمی کی یونیورسٹی میں انجنیرنگ ڈگری کلاسیں پڑھاتا تھا، زمین ہند میں قرآن کا قیدی استاد بنا دیا گیا۔ماشاءاللہ۔

11- ہم سب کی 22 ماہ کی کل وقتی، دلچسپی اور محنت نے 11 افسران کی آمین کرادی۔ البتہ 6 شاگردانِ رشید جو مساوی طور پر لائق، فائق، تعلیم یافتہ، محنتی اور نتیجہ خیز فوجی افسران تھے، کامیاب نہ ہو سکے۔ وجہ ناکامی یہ تھی کہ رائج الوقت عربی رسم الخطوط، غیر عرب مسلمانوں کے لئے مخلصانہ طور پر حد درجہ آسان اور دوستانہ نہ تھے۔ ان سب میں ایسی مشکلات اور دشواریاں ابھی تک باقی تھیں، جو منطقی لحاظ سے مزید آسان کیا جانا مانگتی تھیں۔ ایسی ہی تمنا پیرا نمبر 7 میں بھی درج شدہ ہے۔

12- چنانچہ خاکسار کے نزدیک زیادہ گھمبیر مسئلہ، وقت کی اہم ترین ضرورت اور ذاتی آزمائش یہ تھی کہ 35 فی صد لائق فائق مسلمانوں کو بھی ناظرہ قرآن سکھانے، ماہر بنانے بلکہ استاد بنانے کی گارنٹی ہونا چاہئے۔ چنانچہ مسیح موعودؑ کی زمینِ ہند میں' میں نے شروع قید سے اپنی نئی ذمہ داری سنبھالی اور اپنی دعاؤں اور ریسرچ کا آغاز کیا تاکہ نیا رسم الخط Engineer کیا جائے جو تمام مسلمانوں کو مہیا کیا جائے۔ انشاءاللہ

13- تحدیث نعمت کے لئے ریکارڈ کیا جاتا ہے کہ وہ Analyses جو پیرا نمبر 6 میں درج ہے، خدائے رحمان نے خاکسار پر ظاہر فرمایا تھا۔ پھر اسی رحیم و رحمان نے میرے دل میں یہ ڈالا کہ Once for all times ، یعنی ہمیشہ کے لئے قرآن پاک کے تمام حروف (اور اعراب) کو ان 3 قسموں میں تقسیم کروں، تینوں قسموں کے لئے ایک ایک رنگ یعنی Color - code مقرر کروں، پھر ہر حرف اور اعراب کو اس کے صحیح مطلوبہ رنگ میں دکھاتے ہوئے پورا قرآن تحریر کرلوں۔ اس طرح وہ تمام دعا اور درخواست جو پیرا نمبر 7 میں درج ہے، میسر آجائے گی۔ انشاءاللہ

14- بفضلِ خدا ERA کتابت کیا ہی بہترین دوستانہ رسم الخط ہے۔ اس کی عبارت میں وہ تمام دعا اور درخواست جو پیرا نمبر 7 میں تحریر ہے، مکمل طور پر پوری ہوتی ثابت ہوتی ہے۔ ERA کے رسم الخط پر تمام جفاکش، محنتی، آرام پسند اور تن آسان Smart Readers ' 90 فی صد سے زیادہ (پرانی) ذمہ داریوں اور غلطیوں سے بچتے ہیں۔ 60 فی صد سے زیادہ (پرانی) محنت اور خوف سے بچتے ہیں۔ خوش تر اور رواں تر تلاوت اور ناظرہ قرآن کرتے کراتے اور سکھاتے ہیں۔

ERA System کی مزید معلومات www.EasyReciteArabic.org پر حاصل فرمائیں۔

15- ERA کتابت صرف خالص عربی رسم الخط ہی نہیں' بلکہ ایک زبردست Transliteration بھی ہے، جو عربی الفاظ کو عربی حروف میں ہی Transliterate کرتی ہے۔ اور چونکہ یہاں Colored Arabic حروف استعمال ہوتے ہیں، لہذا اسے Color Arabic Transliteration یعنی CAT بھی کہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ RAT کے بعد اب CAT بھی جماعت احمدیہ 'بلکہ تمام مسلمانوں کی خدمت پر لگی ہوئی ہے۔

16- کمترین کی گزارش اتنی ہے کہ یہ یاد رہے کہ قرآن کے رحمان خدا کے پاس لامحدود عجیب در عجیب قدرتیں ہمیشہ موجود ہیں۔ وہ خدا ERA کتابت کے بعد بھی بار بار عربی عبارتوں کو مزید سے مزید آسانی سے پڑھی جانے والی بناتا رہیگا۔ جماعت احمدیہ کی دوسری صدی میں' سردست یہ ضروری ہے کہ ERA کتابت یعنی CAT سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ خدا کا شکر ادا کیا جائے۔ اور آئندہ آنے والی آسانیوں اور سہولتوں کا کھلے دل سے انتظار' بلکہ استقبال کیا جائے۔ تمت بالخیر

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی تاریخ میں ایک یادگار دن

مورخہ یکم نومبر 2015 کا دن ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے لئے ایک تاریخی دن تھا۔ اس روز یوکے اور جرمنی کی ایسوسی ایشنز نے ایک خوبصورت مشترکہ تقریب کا اہتمام کیا۔ اس تقریب کے انعقاد اور کامیابی کا سہرا ہمارے نہایے ہی پیارے اور قابل صد احترام بھائی محترم مبارک احمد صدیقی، صدر ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یوکے کے سر ہے جو بیس کے قریب دوستوں کی ٹیم لے کر اس تقریب کو رونق بخشنے کے لئے باجود ناسازئ طبع کے انگلستان سے تشریف لائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی اجازت سے محترم صدر صاحب یوکے ایسوسی ایشن کو جرمنی آنے کی دعوت دی گئی اور ایک طویل باہمی خط وکتابت کے بعد آخر یکم نومبر طے ہوا۔ ہماری خوش قسمتی تھی کی اس تقریب میں محترم صدیقی صاحب کے علاوہ ہمارے نہایت کی پیارے اور قابل صد احترام دوست اور سابق طالب طلباء محترم جناب بشیر احمد رفیق، سابق امام لندن اور سرڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحبان بھی تشریف لاکر ہماری عزت افزائی کو موجب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت دے۔

کچھ دوست تو تین روز قبل ہی انگلستان سے تشریف لے آئے تھے انہیں۔ ایک تفریحی مقام روڈس ہایئم، شہر فرانکفورٹ اور جامعہ احمدیہ جرمنی کی سیر کروائی گئی۔ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل صاحب نے خود ساتھ پھر کر تمام خوبصورت عمارات کا تعارف کرویا۔ اور ادارہ کے قیام کے بارہ میں بڑے ہی ایمان افروز واقعات بیان فرمائے جن سے دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے بھر گیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ پروگرام کے مطابق فرانکفورٹ میں دو بجے پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب مرحوم کی یاد میں مشاعرہ کا آغاز ہوا۔ تلاوت قران کریم کے بعد محترم عبداللہ واگھس ہاوزر نیشنل امیر جماعت احمدیہ جرمنی نے پروگرام کا افتتاح فرمایا۔ اس کے بعد محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب، ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان وامیر مقامی کی طرف سے اس موقع پر موصول ہونے والا خاص پیغام پڑھ کر سنایا گیا جو درج ذیل تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم مکرم محترم چوہدری حمید احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جزاک اللہ۔ آپ نے خاکسار کو اس قابل سمجھا کہ مکرم چوہدری محمد علی صاحب کی نسبت سے جو تقریب ہو رہی ہے اس میں دور بیٹھے ہوئے بھی شامل ہو جائے۔ خاکسار اتنا ہی عرض کرے گا کہ محترم چوہدری محمد علی صاحب کی یاد کو با معنی بنانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم سب ان کی طرح ہی خلافت احمدیہ سے انتہائی فرمانبرداری، اخلاص محبت اور وفا کا تعلق قائم کریں۔ کیونکہ میری دانست میں مکرم چوہدری صاحب مرحوم کی سیرت کا یہی پہلو سب سے زیادہ نمایاں اور قیمتی تھا اور اس پر وہ ساری عمر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی اپنی گفتگوؤں، تحریروں اور شاعری میں کرتے رہے۔

خاکسار مرزا خورشید احمد

اس کے بعد مشاعرہ کے قواعد وضوابط بتائے گئے۔ ابتدا محترم مولانا عبدالباسط طارق صاحب نے اپنی نہایت خوبصورت پرکشش آواز میں نعت رسول مقبول ﷺ سے کی۔ اس کے بعد مشاعرہ کا باقاعدہ آغاز ہوا جس کی نظامت کے فرائض مکرم عرفان خان صاحب نے ادا کئے،

بعدہ مندرجہ ذیل شعرا نے اپنے کلاموں سے حاضرین کو محظوظ کیا: جناب عامر افتخار مائر۔ جناب چوہدری محمد شریف خالد۔ جناب میجر ریٹائرڈ عبد لوحید رانا۔ نائب صدر ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی، جناب محمد اسحاق اطہر۔ جناب حمید اللہ ظفر۔ جناب راجہ محمد یوسف۔ جناب رانا عبد الرزاق۔ جناب طاہر عدیم۔ جناب مدبر احسن۔ جناب شفیق بسرا۔ جناب امجد علی شاکر۔ جناب لئیق احمد شفیق۔ جناب رفیع اللہ خان۔ جناب شمس الحق۔ جناب طاہر احمد صدیقی۔ جناب منور احمد باجوہ۔ جناب مبشر احمد کاہلوں۔ جناب راجہ محمد سلیمان۔ جناب بشارت احمد بشارت

جن شخصیات کی بدولت یہ تقریب عظیم الشان تقریب کی خاص شان محترم بشیر احمد خان رفیق سابق امام لندن جو باوجود ضعف اور علالت کے بیگم بشیر رفیق اور صاحبزادہ محمود رفیق کے تشریف لائے۔ امام رفیق نے اپنے کالج کے زمانہ کے واقعات، پھر اپنے وقف کے بارہ میں حضرت خلیفہ المسیح الثانی رضی اللہ کی ذاتی شفقتوں کا ذکر کرتے ہوئے نہایت ایمان افروز بیان کئے۔ امام بشیر احمد رفیق اور ان کی بیگم صاحبہ کو چونکہ قریب دس سال حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا، اس لئے انہوں نے چوہدری صاحب کی زندگی کے حالات بھی نہایت دلچسپ انداز میں بیان کئے۔ محترم سر ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب، جن کو حال ہی میں ملکہ برطانیہ نے سر کے خطاب سے نوازا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مختلف حیثیتوں میں بیش بہا خدمات کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور ابھی کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح حضرت خلیفہ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل میں وہ توالو کے جزائر گئے اور کس طرح اللہ تعالیٰ کی تائید اور خلافت کی دعاوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ ایک مضبوط جماعت قائم فرمائی۔ امام بشیر احمد رفیق کی طرح محترم سر ڈاکٹر افتخار احمد ایاز کی تقریر کا بھی خلاصہ یہ تھا کہ تمام تر برکات خلافت احمدیہ کے ساتھ اخلاص و وفا کے تعلق اور مکمل اطاعت کے ساتھ وابسطہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنا قیمتی وقت قربان فرما کر تین دن پہلے تشریف لے آئے تھے۔

last but not the least ہمارے بہت ہی پیارے اور سب کے ہر دلعزیز شاعر محترم مبارک احمد صدیقی بخار کے باوجود، سفر نہ کرنے کے ڈاکٹری مشورہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس محفل میں کی رونق بنے۔ محترم صدیقی صاحب کی قدر تو وہی جان سکتا ہے جو ان کی محفل میں کسی طرح سے شامل ہوا ہو، خواہ ایم ٹی اے کی ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے اپنے منظوم کلام کے علاوہ بڑے لطیف لطائف سے بھی سب چھوٹے بڑوں اور خواتین و حضرات کو محظوظ کیا۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے دو بجے شروع کی گئی یہ تاریخی تقریب شام آٹھ بجے بادل نخوستہ ختم کرنی پڑی۔ تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن ان تمام پیارے بھائیوں کی تہہ دل سے مشکور ہے جو اس میں شامل ہوئے اور جنہوں نے اس کو کامیاب بنانے میں اپنا کردار ادا کیا۔۔ ذیل میں مکرم شاہد احمد عباسی صاحب کی اتاری گئی چند تصاویر ان کے شکریہ کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں۔

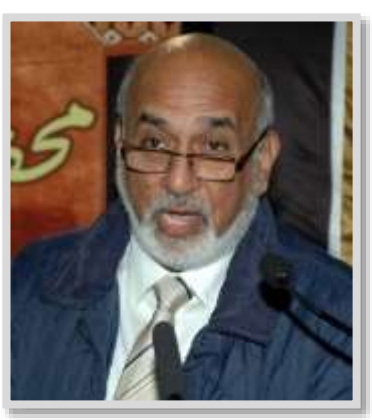

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی ان تمام دوستوں کی تہہ دل سے مشکور ہے جنہوں نے اس یادگاری تقریب کو کامیاب بنانے میں ہماری بھر پور مدد فرمائی۔ محترم نیشنل امیر صاحب اور جنرل سیکریٹری صاحب اور ان کے رفقاء کار، محترم چوہدری افتخار احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ جرمنی۔ محترم مولانا حید علی ظفر صاحب، مشنری انچارج و نائب امیر جرمنی محترم خاور افتخار صاحب مہمانوں کے قیام وبعام کی ضروریات کا ذاتی دلچسپی سے با قاعدگی سے جائزہ لیتے رہے اور چھوٹی چھوٹی تفصیلات کے بارہ میں ہدایات دیتے رہے۔ محترم عامر افتخار صاحب نے دن رات کر کے سٹیج کو خوبصورتی سے سجایا اور ویڈیو بنائی۔ ایم ٹی اے کی ٹیم نے بڑی محبت اور محنت سے تمام پروگرام ریکارڈ کیا۔ اسی طرح ایسوسی ایشن کی ایڈوائزری کمیٹی کے ارکان مہمانوں کی خدمت کے لئے دن رات حاضر رہے۔ اللہ تعالیٰ ان ے تمام دوستوں کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

چوہدری محمد علی میموریل انٹرنیشنل باسکٹ بال ٹورنامنٹ کاانعقاد

مورخہ 14 نومبر 2015 کو استاذی المکرم پروفیسر چوہدری محمد علی مرحوم کی یاد میں اوران کی باسکٹ بال کے میدان میں خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے جرمنی اور اگلستان میں مقیم باسکٹ بال کھلاڑیوں نے ایک انٹرنیشنل باسکٹ بال ٹورنامنٹ کاانعقاد کیا۔اس دوستانہ کھیل کا خیال تو جلسہ سالانہ یوکے دوران دوستوں کے ساتھ گفتگو میں ہوا جبکہ ہمارے پیارے استاد ابھی حیات تھے۔لیکن ان کے رحلت کے بعد اس خیال میں شدت آئی۔پھر اس کے لئے انتظامات، مہمانوں کی رہائیش اور دیگر اخرجات کا سوال بھی تھا۔ان سب امور کے لئے کچھ تو بعض دوستوں نے حامی بھری اور پھر ہماری ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے صدر محترم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب نے سرپرستی کا وعدہ کرکے میری حوصلہ افزائی کی۔لندن کے دوست تو پہلے ہی تیار تھے۔ہمبرگ، گروس گیراواور فریکفورٹ سے ٹیموں کو تیار کرنا تھا۔خاکسار نے ہر کھلاڑی بھائی سے رابطہ کیا۔چوہدری حمید احمد صاحب کی تحریک اور رہنمائی پر تمام امور پر بحث کرنے کے لئے بیت السبوح میں فرانکفورٹ اور گردونواح میں مقیم کھلاڑیوں کی میٹنگ بلائی گئی جس میں خود پروفیسر صاحب بھی شامل ہوئے اور ہال کی تیاری، کھانے کے انتظامات، ٹرانسپورٹ، ٹیموں کا چناو، ریفریز کا تقرر، یونیفارمز کا حصول اور پرنٹنگ۔انعامات کی خرید۔افتتاح اور اختتام کے لئے معززین کا انتخاب اور ان سے رابطے وغیرہ کے بارہ میں مختلف دوستوں کے ذمہ ڈیوٹیاں لگائی گئیں۔فیصلہ کیا گیا کہ محترم مولانا حیدر علی ظفر، مشنری انچارج جرمنی سے افتتاح کے لئے اور محترم نیشنل امیر صاحب جرمنی سے درخواست کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تمام انتظامات بروقت مکمل ہوگئے۔اور یہ ٹورنامنٹ انتہائی خوشگوار ماحول میں کھیلا گیا، میں تمام دوستوں کا بالخصوص محترم ہروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب۔ برادرم عبدالرحمان مبشر، محترم خاور افتخار , شیخ منصور احمد، عرفان خان، محترم کلیم احمد، محترم عامر افتخار، محترم اسماعیل نوری۔محمد داود۔ثاقب مسعود کا بے حد مشکور ہوں جن کے تعاون سے یہ ٹورنامنٹ کامیاب ہوا۔

فیصلہ کے مطابق سب سے پہلے ہمبرگ اور فرانکفورٹ کی ٹیموں کے درمیان میچ ہوا جو فرانکفورٹ نے جیتا، دوسرا میچ یوکے اور گروس گیراو میں ہوا جسے یوکے نے جیتا۔ تیسرا میچ گروس گیراو اور ہمبرگ میں ہوا ہوا، جو ہمبرگ نے جیتا۔ چوتھا اور فائینل میچ یوکے اور فرانکفورٹ میں ہوا جسے یوکے کی ٹیم نے جیتا۔ ٹورنامنٹ لے اختتام پر محترم عبداللہ واگھس ہاوزر صاحب نیشنل امیر جرمنی نے انعامات تقسیم کئے اور دعا کرائی۔

تھوڑے وقفہ کے بعد تمام ٹیمیں انصاراللہ کے کانفرنس روم میں جمع ہوئیں اور محترم چوہدری محمد علیٰ صاحب مرحوم کا ذکر خیر ہوتا رہا۔ نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد تمام دوستوں اور مہمانوں کی خدمت میں ڈنر پیش کیا گیا اور اس کے بعد دوست پھر سے چوہدری صاحب کے ذکر خیر کے لئے رات گئے تک اکٹھے بیٹھے رہے۔ اللہ تعالیٰ چوہدری صاحب مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

خاکسار تمام کھلاڑی دوستوں کا بالعموم اور انگلستان سے تشریف لانے والے اپنے مہمانوں کا بالخصوص تہ دل سے مشکور ہے۔ان سب کے تعاون کے بغیر یہ سب کچھ ناممکن تھا۔اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے۔

خاکسار سعید احمد ناز

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی چند خوشگوار یادیں

انجنیئر محمود مجیب اصغر

1960-62 میں خاکسار اس عظیم درسگاہ میں ایف ایس سی کا ایک ادنیٰ اور غیر معروف طالب علم تھا۔ خاکسار کے بڑے بھائی ایم اے لطیف شاہد صاحب (جنہیں نصرت جہاں سکیم کے تحت چودہ سال گھانا میں خدمت کا موقع ملا) بھی اس کالج میں خاکسار سے تین چار سال آگے تھے۔ بہت بعد دو چھوٹے بھائی بھی اس کالج میں پڑھے۔ (طارق منصور احمد۔ اور خالد بلال احمد) لیکن اس وقت کالج قومیالیا گیا تھا۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا تصوّر آتے ہی دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے لبریز ہو جاتا ہے۔ پرنسپل صاحب کی شخصیّت اور پاکیزہ ماحول سب سے پہلے جو حسین و جمیل روشن چہرے والی مقناطیسی شخصیّت اُبھر کر سامنے آتی ہے وہ کالج کے پرنسپل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ہیں۔ آپ کے چہرے کی بشاشت گویا اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

آپ حضرت مسلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے موعود فرزند اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے موعود پوتے تھے۔ جب آپ خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے عظیم روحانی منصب پر فائز ہوئے اس وقت آپ تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل تھے۔ اور کالج سمیت جماعت کی کئی اور حساس خدمات بھی آپ کے سپرد تھیں۔ اُس زمانے کا ذکر کرتے ہوئے مولوی ابوالمنیر صاحب نورالحق آپ کی کیفیت کے بارہ میں ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی عمارت کے مشرقی جانب آپ کی رہائش گاہ تھی وہاں آپ کے پاس گل خاں نامی ایک پٹھان چوکیدار تھے۔ جو نہایت مخلص اور نیک آدمی تھے۔ 1955 سے انتخاب خلافت تک کے زمانہ میں اکثر میں آپ کے پاس بعض کاموں کے لئے آتا جاتا رہتا تھا۔ میں نے ایک دن گل خاں صاحب سے یہ پوچھا کہ سناؤ! میاں صاحب کی زندگی کیسے گزرتی ہے۔ کہنے لگے رات گئے تک اپنی ذمہ داریوں کے ادا کرنے کے بعد گھر آتے ہیں اور تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد نماز تہجد کے لئے اپنے ڈرائینگ روم میں آجاتے ہیں اور بڑی آہ وزاری کرتے ہیں اور ایک لمبا وقت رو رو کر خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت میاں صاحب کے اس عمل میں کبھی ناغہ نہیں دیکھا۔

حقیقت تو یہی ہے کہ ٹی آئی کالج کے ادارے کو بہت بلند لے جانا آپ کی محنت اور دعاؤں کے طفیل تھا۔ آپ نے کالج میں شاندار روایات قائم فرمائیں۔ پاکیزہ ماحول ا۔ علیٰ معیار تعلیم۔ پرفیسروں کا طلباء سے اپنے بچوں کی طرح سلوک۔ بدعادات سے دور رکھنا۔ غلط سیاست اور سٹرائیک (strike) وغیرہ سے اجتناب۔ امیر و غریب کے امتیاز سے بالا ہو کر۔ جسمانی ذہنی اخلاقی اور روحانی استعدادوں کی نشوونما میں لگے رہنا آپکی بدولت تھا۔ آپ کی ذات سے ہی کالج کے در و دیوار بابرکت ہو گئے تھے

پاکیزہ ماحول کے اثرات

اس ماحول میں رہ کر ہی بعض متضاد نظریات رکھنے والے طلباء جو سعید روح رکھتے تھے از خود احمدیت کی گود میں آجاتے رہے۔ ہمارے دَور کی ایک مثال انجنیئر ملک لال خاں صاحب کی ہے۔ جنہوں نے ایف ایس سی کے آخر میں بیعت کی اور اب کینیڈا کے نیشنل امیر کے طور پر خدمت کی توفیق پا رہے

ہیں۔اسی طرح دوسرے میاں اقبال احمد صاحب تھے جو اس دور میں احمدی ہوئے۔ایڈووکیٹ بنے۔راجن پور ضلع کے امیر کے طور پر خدمات بجالا رہے تھے کہ شہید کر دیئے گئے۔

کالج کی عمارات اور ماحولیات

کالج کی عمارت بہت سادہ۔خوبصورت اور کشادہ تھی۔ربوہ کی زمین شور آلودہ تھی اس لئے کثرت سے EUCALYPTUS یعنی سفیدے کے درخت اُگائے ہوئے تھے۔کالج کی مرکزی جگہ تو پرنسپل آفس تھا۔مختلف ڈیپارٹمنٹ بڑی ترتیب سے تھے۔لائبریری اور یونین ہال بہت نمایاں جگہیں تھیں۔لائبریری مین طلباء کا ہجوم رہتا تھا۔انگلش اردو کی اخباریں اکثر طلباء پڑھتے تھے۔اور کتابیں بھی جاری کرواتے تھے۔اس وقت مکرم فضل داد صاحب لائبریری کے انچارج ہوتے تھے۔یونین ہال میں متنوع قسم کے پروگرام ہوتے تھے۔خدا جانے کہاں کہاں سے ماہر تعلیم۔سائنس دان۔شاعر۔غیر ملکی دانشور لائے جاتے تھے۔سٹوڈنٹس یونین کے باقاعدہ انتخاب ہوتے تھے ہمارے زمانے میں حضرت مولوی ظہور حسین صاحب بخارا کے ایک صاحبزادے مکرم نعیم احمد صاحب صدر اور زرتشت منیر صاحب جنرل سیکریٹری تھے۔

کالج کی چاردیواری کے اندر ہی فضل عمر ہوسٹل کی بلڈنگ تھی۔اور شمال مشرق میں پرنسپل لاج تھا۔نہات اعلیٰ قسم کا ڈسپلن تھا۔کالج کی وسیع و عریض چاردیواری کے باہر گراؤنڈ تھے۔جہاں آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ منعقد ہوتا تھا۔ربوہ اور چنیوٹ کے درمیان دریائے چناب پر ROWING TEAM کے باقاعدہ مقابلے ہوتے تھے۔کئی کالجوں کی ٹیمز وہاں آتی تھیں۔جیت اکثر ٹی آئی کالج کی ہوتی تھی۔کالج کا ماحول صاف ستھرا اور دلکش تھا۔کالج کی بڑی شہرت تھی اور غریب سے غریب طالب علم بھی باآسانی پڑھ سکتا تھا۔لائق اور ذہین طلباء اور کھلاڑیوں کی بڑی قدر کی جاتی تھی جن لڑکوں کے میٹرک میں 70 فی صد سے زیادہ نمبر تھے اور چند نمبروں سے انہیں گورنمنٹ کا وظیفہ نہیں ملتا تھا ان کی حوصلہ افزائی کیَ لئے کالج وظیفہ دیتا تھا اور حسب حالات بعض طلباء کی فیس معاف کر دی جاتی تھی۔

کالج کی کارکردگی اور شہرت۔

جنید ہاشمی صاحب کالج کی ADMINISTRATION میں کلیدی کردار ادا کرتے تھے۔پرنسپل صاحب بھی بڑے قدردان تھے۔ان کے لئے دوپہر کا کھانا پرنسپل لاج سے آتا تھا۔جیسا کہ مرزا فرید احمد صاحب نے ایک بار بتایا تھا۔

پروفیسر شیخ محبوب عالم خالد صاحب پرنسپل کے دیرینہ ساتھیوں میں سے تھے۔ان کا دفتر پرنسپل آفس کے بالکل سامنے تھا وہ صدر صدر انجمن احمدیہ تھے جب انکی وفات ہوئی۔پروفیسر ڈاکٹر سیّد سلطان محمود شاہد صاحب کالج یونین کے سرپرست تھے۔ GAMES اور دیگر غیر نصابی سرگرمیوں کے انتظامات پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب پرنسپل صاحب کا ہاتھ بٹاتے تھے۔چوہدری محفوظ الرحمٰن صاحب ایم اے فزیکل ایجوکیشن گیمز کروایا کرتے تھے۔بعض اوقات پرفیسروں اور طلباء کے درمیان بھی میچ ہوتے۔پرنسپل صاحب کی کی غیر موجودگی میں فرشتہ سیرت پروفیسر میاں عطاالرحمٰن صاحب ایم ایس سی فزکس بی ٹی قائم مقام پرنسپل ہوتے تھے۔اس زمانے میں ٹی آئی کالج کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ دور دراز علاقوں سے لوگ اپنے بچوں کو اس کالج میں تعلیم کے لئے داخل کراتے تھے۔۔کئی غیر ملکی افریقن بھی اس کالج میں پڑھ کر اپنے ملکوں میں نمایاں عہدوں پر فائز ہوئے۔

فرشتہ سیرت اساتذہ کا ذکر

جن لوگوں نے تعلیم الاسلام کالج کے موحول سے فائدہ اٹھایا انہوں نے حسب استعداد دین و دنیا میں بہت ترقی کی۔ان اساتذہ کو اپنی دعاؤں میں کبھی نہیں بھولنا چاہیئے۔جن سے پڑھنے کا موقع ملا۔ہمیں ایف ایس سی میں جن اہل علم لوگوں نے پڑھایا ان کا تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

انگلش PROSE اور انگلش COMPOSITION علی الترتیب پروفیسر محمد شریف خالد صاحب مرحوم اور پرفیسر چوہدری حمید احمد صاحب (جواب خدا کے فضل سے تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کے صدر ہیں) نے پڑھائی۔انگلش ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ مکرم مرزا خورشید احمد صاحب تھے جو کہ اب ناظر اعلیٰ اور امیر مقامی ہیں۔

فزکس پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب مرحوم اور پروفیسر محمد اسلم قریشی صاحب نے پڑھائی۔(قریشی صاحب غالباً اس وقت احمدی نہیں تھے) ایک دو دفعہ میاں عطاالرحمٰن صاحب ہیڈ فزکس ڈیپارٹمنٹ نے بھی کلاسیں لیں۔اس ان کے لیکچر کا ایک ایک لفظ آسانی سے لکھا جا سکتا تھا

فزکس لیبارٹری اسسٹنٹ ملک رشید احمد صاحب مرحوم تھے اور انچارج پرفیسر مسعود احمد عاطف مرحوم جو کہ بہت ہمدرد قسم کے انسان تھے۔افسوس کہ بہت جلد وفات پا گئے۔

کیمسٹری ڈاکٹر سیّد سلطان محمود شاہد صاحب مرحوم اور پروفیسر مبارک احمد انصاری صاحب نے پڑھائی۔ڈاکٹر صاحب موصوف کی لکھی ہوئی TEXT BOOK ہمارے سلیبس میں شامل تھی۔اُس وقت کالج میں وہ واحد پی ایچ ڈی تھے۔بعد میں پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب نے بھی پی ایچ ڈی کی اور ایم ایس سی کی کلاسیں شروع کیں۔لیبارٹری کے انچارج پروفیسر رفیق احمد ثاقب صاحب تھے اور DEMONSTRATOR پروفیسر سعید اللہ خاں صاحب تھے۔ LAB ASSISTANT ناصر احمد صدیقی صاحب اور ATTENDANT حمید اللہ صاحب تھے۔ان کے علاوہ کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ کے مددگار کارکن لعل خاں صدیقی صاحب تھے جن کا ساتھ آخر تک خلیفہ ثالث سے رہا۔ریاضی ہم نے پروفیسر محمد ابراہیم ناصر صاحب سے مرحوم اور پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب سے پڑھی۔ابراہیم ناصر صاحب کنٹرولر آف ایگزامینیشن بھی تھے۔ہنگری میں جماعت کے مبلغ بھی رہ چکے تھے۔عربی آپشنل ہماری کلاس کو پروفیسر سلطان اکبر صاحب نے پڑھائی۔عربی کے ہیڈ پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب تھے۔جو حضرت پرنسپل صاحب کے خاص معتمدین میں سے تھے۔تھیالوجی کا مضمون خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطا صاحب جالندھری مرحوم اور ملک محمد عبداللہ صاحب فاضل مرحوم نے پڑھایا اسکا صرف INTERNAL EXAM ہوتا تھا۔

کالج میگزین۔المنار

کالج کا میگزین کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔المنار آدھا انگلش میں اور آدھا اردو میں ہوتا تھا۔ گزشتہ سال اس کے ایک سابق ایڈیٹر چوہدری رشید احمد صاحب کا بھی کراچی میں انتقال ہوا۔ مولانا عطا المجیب راشد صاحب بھی ایڈیٹوریل بورڈ میں تھے۔ چوہدری رشید احمد جاوید صاحب مرحوم STATE BANK OF PAKISTAN میں EXECTIVE DIRECTOR کے عہدے تک پہنچ کر ریٹائر ہوئے تھے۔خاکسار اور خاکسار کے کلاس فیلو اس وقت ڈاکٹر اور انجنیئر بننے کا CRAZE تھا۔ہم سات طلباء انجنیئرنگ یونیورسٹی میں گئے۔سب کو عملی زندگی میں خدمت دین کی بھی توفیق ملی۔جو یقیناً تعلیم الاسلام کالج کی ہی بدولت تھا۔

1۔انجنیئر محمود سلطان باجوہ صاحب احمدی نہیں تھے لیکن ایف ایس سی میں اوّل آئے۔ AIRFORCE مین کمیشن مل گیا سنا ہے ترقی کرتے کرتے AIR COMMODOR کے عہدے تک پہنچے۔

2۔انجنیئر ملک لال خاں صاحب نے 17 سال ٹیلیفون ٹیلیگراف کے محکمے میں کام کیا۔ڈائریکٹر تک پہنچے اور پھر کینیڈا چلے گئے۔1971 کی جنگ کے دوران ڈھاکہ مین تھے۔RED CROSS کے کیمپ میں رہے۔اور معجزانہ طور پر ب کر رنگون سے ہوتے ہوئے پاکستان پہنچے۔انہیں امیر ضلع ایبٹ آباد ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔اور اب تو ماشاءاللہ کینیڈا کے نیشنل امیر ہیں۔جلسہ سالانہ پر ترجمانی کے نظام کے لئے 1980 میں سسٹم جاری ہوا۔اس ٹیم کے یہ POINER MEMBERS میں سے ہیں۔

3۔انجنیئر عبدالسلام ارشد صاحب نے مکینیکل انجنیئرنگ کی MES میں سروس کے دوران .M.Sc بھی کی۔چیف انجنیئر۔جنرل مینجر ریٹائر ہوئے اور اب لاہور جماعت کے جنرل سیکریٹری کے طور پر خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔

4۔انجنیئر میجر بشیر احمد طارق صاحب نے ریٹائرمنٹ کے بعد کراچی میں CONSTRUCTION FIRM بنائی اور جماعتی خدمات کی مقدور بھر توفیق پائے۔

5۔انجنیئر کریم احمد طاہر صاحب پاکستان میں کچھ عرصہ سروس کر کے LIBYA چلے گئے۔وہاں جماعت کے امیر رہے۔پھر کینیڈا منتقل ہو گئے وہاں بھی امیر صاحب کے ساتھ خدمت کی توفیق پاتے ہیں۔

6۔خاکسار نابکا انجنیئر محمود مجیب اصغر NESPAK سے جنرل مینجر ریٹائر ہوا۔وقف جدید میں بھی نگران تعمیرات کا کام کیا۔سروس کے دوران مظفر گڑھ اور اٹک (کیمپلپور) کے امیر کے طور پر خدمت کا موقع ملا۔خلافت (خامسہ) کمیٹی کا ممبر ہونے کا خصوصی اعزاز اپنے سب کلاس فیلوز میں سے صرف اِس عاجز کو ہی حاصل ہوا اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ انتخاب خلافت خامسہ کے وقت صدارت کا اعزاز چوہدری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ کو ملا جو کہ تعلیم الاسلام کالج کے سابق پروفیسر ہیں۔اس طرح مولانا عطاالمجیب راشد صاحب نے سیکریٹری کے فرائض انجام دیئے۔وہ بھی تعلیم الاسلام کالج کے سابق سٹوڈنٹ ہیں۔

7۔ہمارے ساتھ ایک طالب علم محمد افضل مبشر صاحب بھی CIVILIAN SCHOLAR کے طور پر انجنیئرنگ یونیورسٹی میں پاکستان آرمی میں SELECT ہو کر داخل ہوئے تھے جو بوجوہ تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور سنا ہے بعد میں .LL.B کر کے پریکٹس کرتے رہے۔اور اب وفات پا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ T. I. COLLEGE کی خوشگوار یادوں کو ہمیشہ زندہ رکھے۔آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برگزیدہ شجرِ (رانا عبدالرزاق خان لندن)

آؤ مضطرؔ کا ذکر خیر کریں۔۔۔۔مر کے بھی جو حیات ہے یارو

افسوس محترم چوہدری محمد علی مضطرؔ عارفی ہم میں نہیں رہے۔آپ ۱۱ دسمبر ۱۹۱۷ء فیروز پور انڈیا میں پیدا ہوئے۔اور ۱۴۔اگست ۲۰۱۵ء کو ربوہ میں وفات پائی۔ ۱۹۴۴ء میں تعلیم الاسلام کالج قادیان سے وابستہ ہوئے۔وہ ایک پروفیسر کے علاوہ تاریخ تھے بلکہ مورّخ تھے۔وہ ایک ناصح تھے،وہ ایک شفیق باپ تھے ،وہ ایک ماہر تعلیم،انگریزی دان، عظیم دانشور، قابل منتظم،دیدہ وَر،پروفیسر، لائق مشیر، دیانتدار ناظم،ایڈمنسٹریٹر، ذہین مصنف،ٹرانسلیٹر، بلکہ ہمہ جہت انسان تھے۔وہ ایک نہایت عاجز انسان بھی تھے،بہت ہی خوبیوں کے مالک اور سلطانِ نصیر تھے۔فلسفہ،نفسیات اور انگریزی زبان وادب کے ماہر پروفیسر تھے، تعلیم الاسلام کالج میں ہوسٹل، تیراکی، کشتی رانی، کوہ پیمائی، باسکٹ بال،یوٹی سی،آئی ٹی سی کے شعبہ جات کے انچارج بھی رہے۔آپ پاکستان قومی باسکٹ بال فیڈریشن کے سینئر وائس پریذیڈنٹ بھی رہے۔اسی طرح پنجاب یونیورسٹی کے سینٹ اکیڈمک کونسل اور بورڈ آف سٹڈیز(نفسیات) کے ممبر رہے۔خلافت کے عاشق،اطاعت کے دلدادہ،ہر کسی کو محبوب تھے۔اُن کی زندگی پر طائرانہ نظر کے لئے بھی ایک دیوان درکار ہے۔وہ حضرت مصلح موعودؓ کے مجاہد،حضرت مرزا ناصر احمد کے دستِ راست،ہمسفر و پرائیویٹ سیکٹری،خلافت رابعہ و خامسہ کا معاون اور سلطان نصیر بلکہ ایک مثالی احمدی کارکن تھے۔خلافت کا ذکر آتے ہی اُس بزرگ کے ہونٹ تھرتھرانے لگتے تھے۔اُس کے جسم میں محبت اور اطاعت سے ایک کپکپی طاری ہو جاتی تھی،۔تعلیم الاسلام کالج کی دیکھ بھال میں،ہوسٹل کی ذمہ داریوں کو اس طرح نبھایا کہ آج بھی ہزاروں طلباءاُن کا ذکر بے حد تعظیم سے کرتے ہیں۔تعلیم الاسلام کالج کی شہرت اور اسکی قدآوری میں چوہدری محمد علی کی مساعی کو ہم کبھی بھی بھول نہیں سکتے۔وہ بانی رُکن تھے وہ ایک شفیق باپ کی طرح پڑھاتے بھی تھے اور جوانوں کا کردار بھی تعمیر کرتے تھے جس طرح باپ اپنے بیٹے کا خیال رکھتا ہے۔باسکٹ بال میں صحت مند،قدآور بچوں کو منتخب کرنا،اُن کو کھیل کی ترغیب دینا،اُن جوانوں کو ڈسپلن سکھانا،جماعتی اخلاق کا درس دینا اُن کی زندگی تھی،یہ سب کچھ انہوں نے خلافت کے عشق میں کیا۔سب کو زندگی بھر دُعا دی،سب ہی کو دوست،بھائی اور بیٹے جان کر نصائح کیں۔سب کے دُکھ کو اپنے دُکھ جان کر سینے سے لگایا،اور زندگی بھر خلافت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا،حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ساتھ ۱۹۶۷ میں بیرون ممالک کے سفر پر بھی جانے کا شرف حاصل ہوا،شاعری میں بھی خلافت کا ذکر بار بار ملتا ہے۔آپ کی رمزیہ شاعری آج کے دور میں منفرد مقام رکھتی ہے۔جو کہ خلافت کے ارد گرد گھومتی ہے اسے جاننے اور سمجھنے کے لئے ایک عقل و خرد سے بھرپور دماغ چاہیئے۔

آپ کی شاعری میں ندرت،رفعت، تخیل،سادگی،اور گداز پایا جاتا ہے،نیز فلسفہ،نفسیاتی ترفع اور جذباتی تنوع کی آئینہ دار ہے۔ہر شعر میں اطاعت ،محبت، عشق و پیار سے سرشار ایک غلام کا عکس دکھائی دیتا ہے،اُن کے عشق میں بلالی شان اور اویسی کردار کی جھلک ہے۔ایسا عشق جو کردار میں بھی تھا

اور عمل میں بھی تھا، کوئی کام یا فرض جب بھی اُن کے ذمہ لگایا گیا، اُس مردِ فقیر نے بدرجہ اَتم اُسے مکمل شوق سے سرانجام دیا، تراجم میں تو اس مطیع نے اپنی خداداد ذہانت کو بروئے کار لا کر آنے والے پیشروؤں کے لئے ایک مثال قائم کر دی۔ اے میرے دوستو! مضطر کو پڑھو تا کہ ہمیں زندگی گزارنے کا سلیقہ آئے۔ خلافت کے دیوانے کے کردار کی ضو سے حصہ لینے کی سعی کرو، جو ۸۰ سال تک اس اطاعت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر بیش قیمت موتیوں کی تلاش میں کامیاب رہا، جو مولوی محمد علی سے بھی بہتر اطاعت کا حق ادا کرتے ہوئے اس دنیا سے کامیاب مراجعت کر گیا۔ جسے خلفائے وقت نے بھی کمال محبت سے نوازا، اور اس دنیا کے عظیم خاکساروں نے بھی اسے خراج تحسین پیش کیا۔ اُس مردِ قلندر کی کس کس بات کا ذکر کروں، اُس کی محبتوں کا ذکر کروں تو اُس کی جدائی پا کر کلیجہ منہ کو آتا ہے، اُس کی نصائح پر جب غور کرتا ہوں تو اُس کی دھیمی دھیمی گفتگو سے خلفاء کے خطبات کی جھلک نظر آتی ہے، آپ خلافت کے سچے مطیع و فرمانبردار اور نظام جماعت کے ساتھ اخلاص و وفا کا تعلق رکھنے والے تھے، قابل فخر مقام ہونے کے باوجود عُجب و خود پسندی نام کو نہ تھی، ریاکاری سے پاک، نرم خو، نرم زبان، انسانیت کے ہمدرد اور نیک انسان تھے۔ اُن کے کردار پر جب نظر دوڑاتا ہوں تو خود کو ایک حقیر کیڑا پاتا ہوں۔ جب اُس کے کام اور اس کی کاوشوں کی وُسعت پر نظر کرتا ہوں تو حیران و ششدر رہ جاتا ہوں۔ یقیناً اُس مردِ نفیس کو محمد ﷺ کی دعا اور علیؓ کی طاقت حاصل تھی جسے خلافت احمدیہ کی برکات نے پالش کر دیا تھا، جو آج ہمیں ایک نگینہ کی مانند نظر آتا ہے۔ کاش ہم سب مضطر عارفی جیسے خوبصورت نگینے بن جائیں۔ اور خلافت کی خوشبو کو اکنافِ عالم میں بکھیر دیں تا کہ ہمارا خدا ہم سے راضی ہو جائے۔ آمین۔

یادِ رفتگاں

غالباً ۱۹۶۷۔۶۸ کا ذکر ہے۔ میں پشاور یونیورسٹی میں واقع اسلامیہ کالجیٹ سکول میں زیرِ تعلیم تھا۔ ایک دن سہ پہر چھٹی کے بعد سائیکلوں پر میڈیکل کالج کے آگے سے گزر رہے تھے۔ سامنے گراونڈ میں جمگھٹا نظر آنے پر معلوم ہوا۔ کہ آل پاکستان باسکٹ بال میچز ہو رہے ہیں۔ ہم بھی میچ دیکھنے گراونڈ میں پہنچے۔ وہاں لوگ آپسمیں کہہ رہے تھے کہ قادیانیوں کی ٹیم ریلوے کے مقابل کھیل رہی ہے۔ مجھے خاصکر دیکھنے کا تجسس ہوا۔ جاکر بڑے شوق سے میچ دیکھااور اختتام پر اس ٹیم کے کوچ سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ ملتے وقت آہستہ سے اُن کے کان میں جب اپنے احمدی ہونے کا اظہار کیا تو اُنہوں نے بڑے پیار سے گلے لگایااور نہایت گرمجوشی سے ملے۔ اُس مسکراتے اور باوقار شخصیت سے ملاقات کا اثر دیر تک طبیعت پر حاوی رہا۔ بعد میں جب یہ معلوم ہوا کہ ٹی آئی کالج کے پرنسپل اور سلسلہ کے نامور شخصیت چوہدری محمد علی تھے جو اپنی ٹیم کی کوچنگ کر رہے تھے تو نہایت تعجب ہوا۔

ٹی آئی کالج کے فضل عمر ہوسٹل میں رہائیش کے دوران جب چوہدری صاحب کالج کے پرنسپل تھے، ایک دن چوہدری صاحب نے بابا شادی کے ذریعہ پیغام بھیج کر مجھے کوٹھی بلایا۔ میں جب چوہدری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ کافی علیل تھے۔ بیڈ پہ لیٹے تھے اور کافی بخار لگ رہا تھا۔ مجھے کہا کہ طبیعت کی خرابی کے باعث میں نے کچھ ضروری لیٹرز ڈیکٹیٹ کرنے کی تمھیں زحمت دے ہے۔ میں نے کہا سر زحمت کی کونسی بات ہے۔ یہ تو میری خوش بختی ہے جو یہاں آپ کے کچھ کام آسکوں۔ لیٹرز کے ڈیکٹیشن کے بعد جب میں نے اجازت چاہی اور جانے لگا تو باہر نکلتے وقت میں کمرے کی دیوار کے ساتھ ہلکا سا ٹچ ہوا تو دیوار سے پلستر تھوڑا سا اُکھڑ کر نیچے گرا۔ چوہدری صاحب جذباتی ہو کر آبدیدہ ہو گئے۔ میں نے سوری کہتے ہوئے کہا ۔ سر اگلے ہفتے آپ کی شادی ہے آپ کو تو خوش ہونا چاہئیے ۔ تھوڑی سی توقف کے بعد کپکپاتے لبوں کے ساتھ فرمانے لگے ، اسحاق یہی تو مجھے فکر ہے کہ مجھے تو ان در ودیوار سے عشق ہے کیونکہ یہاں میرے محبوب ناصر رہ چکے ہیں لیکن میری دلہن میرے ساتھ کیسے اس بوسیدہ کوٹھی میں رہ سکے گی۔

محمد اسحاق اطہر

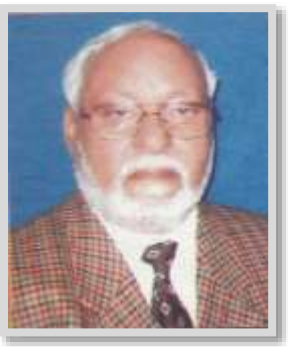

ہجرت

سکھوں کے حملے

۱۴ اگست کو پاکستان بننے کے اعلان کے ساتھ ہی ہر طرف ہنگامے برپا ہوگئے۔ سکھوں کے حملے ہونے لگے۔اِرد گرد کے گاؤں جلنے لگے۔ کھنوڑا پر پدھیانہ کے سکھوں نے حملہ کر کے قتل وغارت کیااور مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔قریبی گاؤں مِہٹیانہ کے لوگ حملہ کے خوف سے ۱۶اگست کو اُجڑ کر ہمارے گاؤں آگئے۔ بُواز ینبے کا سارا خاندان اپنا خوشحال ہنستا بستا گھر چھوڑ کر ہمارے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ بڑلہ اور حالٹا پر سکھوں نے بیک وقت حملہ کیا۔رات کے وقت اِن دونوں دیہاتوں سے آگ کے شعلے ہم اپنے مکان کی چھت پر کھڑے دیکھ رہے تھے۔بڑلہ اور ہالٹا جل رہا تھا۔ مونا سے آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔اِرد گرد کے دیہات سے آکر پناہ لینے والے لوگ نوجوان لڑکیوں کے اغوااور اُن کے ساتھ سکھوں کی زیادتی کی ہوشر با خبریں بیان کر رہے تھے۔ عورتیں اِس خوفناک منظر کو دیکھ کر اور سکھوں کی زیادتی کی افواہیں سن سن کر غشیاں کھا رہی تھیں۔ بڑلہ سے سردار خاں جِس کی بعد میں بوا شاہاں سے شادی ہوئی اور اُس کے دیگر رشتہ دار بڑی مشکل سے جان بچا کر ہمارے ہاں پہنچے تھے۔ایک عجیب ماجرہ تھا۔ہر طرف قیامت کا سماں تھا۔

اگلے دِن ہمارے گاؤں کی باری تھی۔ حملہ ہمارے گاؤں سے جنوب میں واقع سکھوں کے گاؤں بھگانہ سے جو کہ سکھ راجا کی ریاست کپور تھلہ کی سرحد پر واقع تھامتوقع تھا۔ یہیں سے راجا اپنے اسلحہ خانے سے اور سکھ پلان کے تحت تیار قائم شُدہ کیمپوں میں سکھوں کے جتھے منظم اور مسلح کر کے پوری تیاری اور منصوبے کے تحت مسلمانوں کے دیہات پر حملے کیلئے بھیجتا۔ یہ جتھے اچانک بے خبری میں نہتّے مسلمانوں پر حملے کرتے۔ قتل وغارت اور لوٹ مار کرنے کے بعد سرحد پار کر کے پھر اِن کیمپوں میں جا چھپتے۔ جِس گاؤں میں اِن کو مسلمانوں کے مسّلح ہونے کی اطلاع مِلتی وہاں راجا کے ملازمین سرکار کے کارندوں کے بھیس میں جاتے اور وہاں کے لوگوں کو تحفّظ نقصِ اَمن کے بہانے حملہ کرنے سے قبل ہتھیار جمع کرانے پر مجبور کرتے۔ اور پھر اچانک اِن نہتے مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیتے۔ ہمارا گاؤں چونکہ اوپر بیان کردہ اِرد گرد کے تمام دیہات سے بڑا اور معدودے چند تجارت پیشہ کھتریوں اور چوہڑے چماروں کے جن کے تعلقات مسلمانوں سے نہایت ہی اچھے اور برادرانہ تھے، کِلّیئیہ راجپوت مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ گاؤں کے بُہت سے لوگ حاضر یا سابقہ فوجی ملازِم تھے۔اِس لئے اِرد گرد کے دیہات میں اِن کی طاقت اور اسلحہ کا رُعب اور دبدبہ تھا۔ حقیقت میں اِن کے ہتھیار ایمان باللہ ، بہادری اور جُرأت کے سوا اور کچھ نہ تھے۔اِن کے پاس صرف لاٹھیاں، نیزے، برچھے اور کُلہاڑے ہی تھے۔ سارے گاؤں میں صرف ایک ہی بندوق تھی۔ وہ بھی حملہ کے دِن ناکارہ ہوگئی۔

۱۹ اگست کو قریبی گاؤں بھُنگرنی سے سِکھوں کا ایک وفد ہمارے گاؤں آیا۔ اور دھمکی دی کہ بھگانہ میں ایک بُت بڑا جتھا پھگلانہ پر حملہ کرنے کیلئے جمع ہے۔ ہم چونکہ صدیوں سے ایک ساتھ بھائیوں کی طرح رہتے آئے ہیں اِس لئے ہم نہیں چاہتے کہ خون خرابہ ہو۔اُنہوں نے مشورے کے رنگ میں مطالبہ کیا کہ ہمارے گاؤں والے ہتھیار جمع کرادیں اور جتھے کا ایک ہفتے کا راشن وغیرہ کا بندوبست کر دیں تو ہم اُن کو پھگلانہ پر حملہ سے روک دیں گے۔

چونکہ ہمارے گاوٴں والوں کو قبل ازیں سکھوں کی چال بازیوں کا علم ہو چُکا تھا اِس لئے اُنہوں نے اُنہیں سختی سے ڈانٹ کر واپس کر دِیا۔ اگلے دن بعد از دو پہر ہمارے گاؤں پر حملہ ہوَا۔ ہم نے اپنے دفاع کا خوب بندوبست کیا ہوَا تھا۔ عورتوں نے بھی مکانوں کی چھتوں پر اینٹ پتھر بطور اسلحہ اکٹھے کر رکھے تھے۔ گاؤں کے تمام مرد حملہ آور سکھوں کا مقابلہ کرنے کیلئے گاؤں سے باہر صف بند ہو کر پہلے ہی سے تیار تھے۔ قبل اِس کے کہ وہ ہماری عورتوں تک پہنچتے اُن کو ہمارے مردوں کی لاشوں پر سے گزرنا تھا۔ اِن حالات میں ہماری ماں دو نوجوان بیٹیوں اور چار چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ اکیلی تھی۔ اِس کے علاوہ میرے ننھیال میں بھی سوائے ماموں محمد صادق کے جس کی عمر اُس وقت ۱۹ سال کے قریب تھی کوئی مرد گھر پر موجود نہ تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اپنی نانی کو اُس واحد گھر میں موجود مرد کو جو اُس کا سب سے پیارا اور چھوٹا بیٹا تھا، کو سِکھوں کے مقابلہ کیلئے لاٹھی دے کر بھیجتے دیکھا۔ سکھوں نے دور ہی سے فائرنگ شروع کر دی۔ گولیاں تاڑ تاڑ کرتی ہمارے مکان کی چھت پر سے ہمارے سروں کے اوپر سے گزرتیں جہاں میری بہادر ماں اور چاروں بہنیں چند دیگر مہمان عورتوں اور بعض مٹیانہ اور بڈلہ سے آئے ہوئے رشتہ دار بزرگ اور، بعض دیگر مردوں کے ساتھ ہنگامی حالات میں سکھوں کا مقابلہ کرنے کیلئے ڈٹی ہوئی تھی اور سب کو حوصلہ اور دلاسہ دے رہی تھی۔ سِکھوں کی نفری کی زیادتی اور بہتر اسلحہ کے باوجود مسلمان اِس بیدردی سے لڑے کہ سکھوں کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ چند نوجوان سِکھوں نے چھپتے چھپاتے مشرقی جانب سے گاؤں میں داخل ہو کر ہماری عورتوں تک پُہنچنے کی کوشش کی اور اِس کوشش میں ایک اندھی اور بوڑھی عورت اور شاید ایک ضعیف بزرگ کو شہید کر دیا۔ لیکن قبل اِس کے کہ وہ گاؤں میں داخل ہو کر عورتوں کی بے حرمتی کرتے ہماری عورتوں نے پہلے سے بنائے ہوئے منصوبے کے مطابق مکانوں کی چھتوں پر سے اینٹوں اور پتھروں کی وہ بارش کی کہ وہ دم دبا کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے بھاگتے سکھوں کا پیچھا اُن کے گھروں تک کیا۔ آج ہماری باری تھی۔ مسلمانوں نے بھی اپنی دفاعی جنگ میں جو سامنے آیا اُس کا صفایا کر دیا۔ اِتنے دنوں کے ظلم سے اور سکھوں کے قتل و غارت سے تنگ آ کر آج ہمارے مجاہد اُن کا حساب چکا رہے تھے۔ مسلمانوں نے بھاگتے ہوئے سکھوں کو چن چن کر داخلِ جہنم کیا۔ جو سامنے آیا اُس کا صفایا کیا۔ اُن کی فصلوں کو نذرِ آتش کیا۔ آج وہ اِس قدر غیض و غضب میں تھے کہ انہوں نے سکھوں کے گھروں کو اُن کی عورتوں سمیت مٹی کا تیل چھڑک چھڑک کر پھونک دِیا۔ اُدھر ہماری عورتیں اپنے مجاہدوں کی سلامتی کیلئے ہاتھ اُٹھائے اللہ سے دعا گو تھیں۔ اور رات جب ہمارے مجاھد سرخرو ہو کر فتحیاب واپس لوٹے تو آج سکھوں کے گھروں میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ آج اُن کے گاؤں جل رہے تھے۔ بدلہ کے طور پر جوابی حملہ کیلئے سِکھوں کو اپنی صفیں دُرست کرنے کیلئے وقت اور ہمت کی ضرورت تھی۔

پڈوری کیمپ میں

اِس سے پہلے کہ وہ ہم پر دوبارہ حملہ کرتے اگلے دن ہم گاؤں چھوڑ کر پڈوری کیمپ میں چلے گئے۔ شام سے پہلے پہلے سارا گاؤں خالی ہو گیا۔ پڈوری ہمارے گاؤں سے شمال مشرق میں مونا سے آگے کوئی نو میل اور ہوشیار پور سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ حکومت کی طرف سے اِرد گرد کے دیہات کی تمام مسلمان آبادی کو یہاں پر اکٹھا کر دیا گیا تھا تاکہ اُن کو بحفاظت پاکستان منتقل کیا جا سکے۔ یہ کوئی باقاعدہ کیمپنہ تھا۔ پڈوری گاؤں سے کوئی نصف میل کے فاصلہ پر مغرب کی جانب کھلے آسمان کے نیچے مخلوقِ خدا بے ترتیب جہاں کسی کو جگہ ملی اپنے بال بچوں اور رِشتہ داروں یا واقف کاروں کے ساتھ ایک وسیع میدان میں جمع تھی۔ جِن کے پاس بیل گاڑیاں تھیں اُنہوں نے اپنا گھر کا سامان اُن پر لادا ہوَا تھا۔ اور خود ان گاڑیوں کے سائے میں پناہ لے رکھی تھی۔ جب ہم نے گاؤں چھوڑا ہمارے پاس کوئی بیل گاڑی وغیرہ تو نہیں تھی اِس لئے ہماری والدہ اور دونوں بڑی بہنوں نے جلدی جلدی جو ممکن ہو سکا

قیمتی اور ضروری سامان گٹھڑیوں میں باندھا اور ہم سب بچے اپنی والدہ اور بڑی بہنوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی گٹھڑیاں اُٹھائے کیمپ میں پہنچ گئے۔ ہم اپنے ننھیال اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ سڑک کے کنارے گاؤں کے پرائمری سکول کی عمارت کے بالمقابل پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ یہ چار کمروں پر مشتمل عمارت جس کے اِرد گرد کوئی چار دیواری نہ تھی سڑک سے کوئی چار سو گز کے فاصلے پر واقع تھی۔ اِس عمارت میں وہ فوجی مقیم تھے جو ہمارے کیمپ کی حفاظت کیلئے حکومت کی طرف سے متعین تھے۔ اِن کے پاس تین عدد ٹینک اور ایک جیپ تھی۔ کیمپ کمانڈر جو ایک ہندو راجپوت تھا کی طرف سے تمام مہاجرین کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ کوئی شخص بلا اشد ضرورت کیمپ کی حدود سے باہر نہ جائے۔ پڈوری یا وہ گاؤں جہاں سے وہ ہجرت کر کے آئے تھے وہاں جانا تو بالکل ممنوع تھا۔ اِس لئے کہ وہاں جانا نہایت ہی خطرناک اور جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ کیمپ میں آنے سے پہلے عام لوگوں کا خیال تھا کہ انہیں عارضی طور حفاظت کے نقطۂ نظر سے کیمپ میں اکٹھا کیا گیا ہے۔ جونہی حالات دُرست ہونگے سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں گے۔ سکھوں کے حملہ کے خدشہ کے پیشِ نظر اکثر لوگ تو اپنے گھروں سے بھاگتے وقت صرف تن کے کپڑے ہی لے کر آئے تھے۔ کیمپ میں سرکار کی طرف سے مہاجرین کیلئے خوراک وغیرہ کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ اِس لئے حفاظتی عملہ کی تنبیہ کے باوجود لوگ چوری چھپے اپنے گھروں کو جاتے اور اپنی ضروریاتِ زندگی کی چیزیں لے آتے۔ یہ مردوں کا کام تھا۔ لیکن ہمارے ساتھ تو میرے علاوہ کوئی مرد نہ تھا۔ میری ماں بے حد نڈر اور ایک بہادر عورت تھی۔ وہ عورت ذات ہو کر مردوں والی ہمت رکھتی تھی۔ میں نے اُسے اِس ساری آزمائش اور مصیبت کے دور میں ذرہ بھر بھی ہراساں نہ دیکھا۔ اُس نے ہمیں اپنی حفاظت کے سائے میں اِس طرح رکھا جس طرح خطرے کے وقت مرغی چوزوں کو اپنے پروں تلے چھپائے رکھتی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے لوگ اپنی ضروریات کی چیزیں لانے کیلئے چوری چھپے اپنے گھروں کو جایا کرتے تھے۔ اور اِس کوشش میں بعض سکھوں کے ہاتھوں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہ سب کچھ جانتے بُوجھتے کیمپ میں پُہنچ کر والدہ صاحبہ نے جائزہ لیا، ہمیں آپا قیوم کے حوالے کیا اور چپکے چپکے دوسرے رشتہ داروں کو بتائے بغیر خاموشی سے آپا حفیظ کو ساتھ لیا اور بار بار پھیرے لگا کر اپنا ضروری سامان اور مناسب مقدار میں خوراک کیمپ میں لے آئیں۔ مجھے پوری طرح یاد نہیں کہ کتنی دفعہ میں ساتھ گیا لیکن یہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آخری پھیرے میں میں اور آپا حفیظ اکیلے تھے۔ ہم دونوں مکئی کے کھیتوں اور اُونچے اُونچے سرکنڈوں میں سے گزرتی پگڈنڈیوں پر گاؤں کی طرف اُڑے جا رہے تھے۔ جب ہم پھگلانہ پہنچے تو دِن ڈھل چکا تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ چار سو سناٹا۔ خاموشی جیسے بیابان میں۔ ہمارے گاؤں میں چُوہڑے اور چمار بھی بستے تھے لیکن اُن کی آبادیاں گاؤں سے باہر تھیں۔ ہندوؤں کے چند ایک گھر تھے جو زیادہ تر دکانیں کرتے تھے۔ اُن کے گھر اور دکانیں گاؤں کے وسط میں تھیں۔ ویسے بھی ہمارے گاؤں کے کھتریوں کے مسلمان راجپوتوں سے بہت اچھے تعلّقات تھے۔ اور سکھوں کے خلاف اُن کے چند ایک لڑکوں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا۔ اِس لئے جب مسلمانوں نے اپنے گھر چھوڑے تو اُن کو بہت دُکھ ہُوا۔ اور اب شاید وہ بھی سکھوں کے ڈر سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے تھے۔ ہمارا مُحلہ گاؤں کے مشرق میں واقع تھا اور چھوٹی پَٹّی کے نام سے مشہور تھا۔ بہر حال ہم دونوں مشرق کی طرف سے گاؤں میں داخِل ہوئے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ کسی سے ہماری مڈھ بھیڑ نہ ہوئی۔ ہم دونوں اپنی گلی میں داخِل ہوئے تو ہنستے بستے گھروں پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے صدیوں سے یہاں کوئی بستا ہی نہ تھا۔ کئی گھروں کے دروازے چوپٹ کھلے تھے۔ لیکن گھروں کے باسی غائب تھے۔ وقفے وقفے کے بعد اِدھر اُدھر سے کتّوں کے بھونکنے کی آوازیں آتی تھیں۔ اِس سنسنی خیز ماحول میں ہم ڈرتے ڈرتے اپنے گھر میں داخِل ہوئے۔ آپا نے جلدی جلدی سامان سمیٹا ایک

صندوق اپنے سر پر رَکھااور ایک گھڑی میرے سر پر رکھی اور ہم جس راستے سے آئے تھے اُسی راستے سے برق رفتاری سے سُورج غروب ہونے سے قبل واپس کیمپ میں پہنچ گئے۔ ہمیں واپس آتے دیکھ کر بی بی کی جان میں جان آئی۔اِس کے بعد ہمیں پھر گاؤں جانا نصیب نہ ہُوا۔

کیمپ کی حالتِ زار

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے پڈوری کا مہاجر کیمپ کوئی باقاعدہ ترتیب شدہ کیمپ نہ تھا۔ کھلے آسمان کے نیچے مخلوقِ خدا بے ترتیب جہاں کسی کو جگہ ملی اپنے بال بچوں اور رِشتہ داروں یا واقف کاروں کے ساتھ ایک وسیع میدان میں جمع تھی۔ کوئی خیمے وغیرہ نہ تھے۔ پینے کیلئے صاف پانی کا کوئی بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ارد گرد سے گندہ پانی پینے پر مجبور تھے۔ صفائی کی حالت ناگُفتہِ بہ تھی۔ باقاعدہ لیٹرینوں کی غیر موجودگی میں لوگ کیمپ کے قریب ہی فصلوں وغیرہ یا پھر رات کے وقت کھلے میدان میں رفع حاجت پر مجبور تھے۔ بیماروں کی دیکھ بھال یا علاج کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ہر طرف گند ہی گند تھا۔ دِن کے وقت مکھیوں اور رات کے وقت مچّھروں کی بادشاہی تھی۔ مون سون شروع ہو چکا تھا۔ بارش قریب قریب ہر روز کا معمول تھی۔ بارش کے بعد سورج کی تیز دھوپ ناقابلِ برداشت تھی۔ نہ کوئی سایہ دار درخت تھا اور نہ ہی کسی سائبان کا بندوبست۔ البتہ لوگوں نے کھیسوں، چادروں اور دریوں وغیرہ کی مدد سے جیسے تیسے بن پڑا دھوپ سے بچنے کی اپنی سی کوشش کی رکھی تھی۔ لیکن بارش کے خلاف یہ تمام انتظامات بے کار تھے۔ بارش کے بعد ہوا کے بند ہو جانے پر حبس کی وجہسے لوگ تڑپ تڑپ جاتے۔ بیماروں، کمزوروں اور ضعیفوں کی حالت اور بھی ناقابلِ بیان تھی۔ چھوٹے بچوں کی چیخیں ناقابلِ برداشت تھیں۔ میری عمر کے بچوں کیلئے یہ سارا ہنگامہ کھیل تماشہ سے کم نہ تھا۔ نہ سکول، نہ پڑھائی، نہ کوئی فکر۔ ہاں بھوک لگتی تھی۔ اور روٹی پوری نصیب نہ ہوتی تھی۔ کیمپ میں ماسی سرداراں اور خالو نیاز احمد بھی ہمارے ساتھ ہی تھے۔ اِس لئے مقبول اور دیگر ہم عمر بچوں کے ساتھ ہم سارا سارا دِن قریبی سکول کی گراؤنڈ میں کھیلتے رہتے۔ مقبول کا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ اُس کا نام سّتار احمد تھا۔ کوئی ڈیڑھ دو سال کا ہو گا۔ ننھا سا گول مٹول۔ ہمارے لئے وہ ایک کھلونے سے کم نہ تھا۔ ہم سارا دن اُسے کندھوں پر اُٹھائے کھلاتے رہتے۔ ایک دن وہ اچانک بیمار ہو گیا۔ دوائی وغیرہ کا اِنتظام نہ ہونے کے باعث ایک دو دن کے بعد وہ فوت ہو گیا۔ اُس دِن ہم بُہت اُداس تھے۔ نہ کفن نہ جنازہ، بارش کی وجہسے سب کا بُرا حال تھا۔ قریب ہی گڑھا کھود کر انہی کپڑوں میں اُسے دفنا دیا۔

کیمپ میں آئے ہمیں تقریباً تین ہفتے ہو گئے تھے۔ آہستہ آہستہ کیمپ کے حالات بگڑنے شروع ہو گئے۔ ہر طرف گندگی کی بھرمار، صفائی ستھرائی کے فقدان، جراثیم سے آلودہ پانی کے اِستعمال اور اوپر سے روز روز کی بارشوں کے باعث ہر طرف ہیضہ، ملیریا اور ٹائی فائڈ پھیل چکا تھا۔ علاج معالجے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ تھا۔ سّتار احمد بھی ٹائی فائڈ یا ہیضہ کا شکار ہُوا تھا۔ لوگوں کے پاس خوراک کا ذخیرہ ختم ہو رہا تھا۔ ہر طرف سکھوں کا راج تھا۔ اُنہوں نے مہاجرین کے خالی اور غیر آباد گاؤں لوٹ لئے تھے۔ لیکن اِس کے باوجود پھگلانہ میں شکست کے اِنتقام کی آگ ابھی تک اُن کے سینے میں سُلگ رہی تھی۔ جِس کو بُجھانے کیلئے سِکھوں کے سرکردہ لیڈر کیمپ کمانڈر کے پاس پُہنچے اور پیشکش کی کہ اگر وہ اُنہیں چند گھنٹوں کیلئے کیمپ پر حملہ کرنیکی اجازت دے دے تو وہ اُسے مالِ غنیمت میں سے ایک بُہت بڑا حصہ دینے کیلئے تیار ہیں۔ کمانڈر اگرچہ ایک ہندو تھا لیکن اُس نے سکھوں کی پیشکش کو سختی سے ٹھکرا کر فوراً وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ وارننگ بھی دی کہ اگر کسی نے آئندہ کیمپ کے قریب بھی آنے کی کوشش کی تو وہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اُن کے ساتھ نپٹے گا۔ اِس کے ساتھ ہی اُس نے کیمپ کی حفاظت اور زیادہ سخت کر دی۔ سارا سارا دِن فوجی جوان ٹینکوں پر سوار کیمپ کے اِرد گرد چکّر لگاتے رہتے۔ جِس کے بعد سکھوں کو ہمارے کیمپ کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جُرأت نہ ہوئی۔

بُہت سے سادہ لوح لوگ ابھی تک یہی آس لگائے بیٹھے تھے کہ چند ہی دنوں میں حالات دُرُست ہو جائیں گے۔اور وہ دوبارہ اپنے گھروں میں واپس چلے جائیں گے۔اُن کو نہیں علم تھا کہ آبائی وطن سے جُدائی اب اُن کا مقدّر بن چکی ہے۔ابھی اُنہوں نے کچھ دِن اور اپنے اعمال کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ابھی تو اُن کو مال اور اولاد کے زیاں کی کسک، بُھوک اور پیاس کی تلخی، خوف وہراس کی وحشت اور ناگہانی مصائب وآفات کی یلغار سے واسطہ پڑنا تھا۔ابھی تو منزل بہت دُور تھی۔

اچانک ایک دِن دس پندرہ بَسیں کیمپ میں آپُہنچیں اور سارے کیمپ میں بھگدڑ مچ گئی۔ہر کوئی اِس کوشش میں تھا کہ وہ اور اُس کا خاندان بسوں پر قابض ہو جائے۔ایک عجیب سماں تھا۔بالکل قیامت کا سا منظر تھا۔تیس ہزار کے مجمع کیلئے پندرہ بیس بسیں کافی نہ تھیں۔چنانچہ حکام نے سب سے پہلے بیماروں، معذوروں اور بوڑھوں اور اُن کے ساتھیوں کو بسوں میں جگہ دی اور باقی لوگوں کو ہوشیار پور کی طرف پیدل سفر کرنے کا حکم ہُوا۔جہاں سے باری باری لوگوں کو بس کے ذریعے گڑھا کیمپ تک پُہنچایا جائے گا۔

چنانچہ ستمبر کے وسط میں ہمارا قافلہ پاکستان کی طرف روانہ ہو گیا۔تیس ہزار کا جمِ غفیر بے ترتیب اپنے ساز وسامان اور متاعِ حیات کے ساتھ ایک کچی سڑک کے ساتھ ساتھ ہوشیار پور کی طرف رواں دواں تھا۔اِس قافلے میں مرد وزن، بُوڑھے بچے، پیر وجواں سبھی تھے۔جن کے پاس بیل گاڑیاں تھیں اُنہوں نے بے چارے بیلوں کی طاقت سے کہیں زیادہ اِن بیل گاڑیوں پر بوجھ لادا ہوُا تھا۔سامان کے علاوہ عورتیں، بچے اور بوڑھے بھی اِن بیلوں کیلئے وبالِ جان بنے ہوئے تھے۔کثرتِ بوجھ سے جب کبھی گاڑیاں کیچڑ وغیرہ میں پھنس جاتیں تو بجائے بوجھ کم کرنے کے بے چارے بیلوں کی پٹائی شروع ہو جاتی۔اور اوپر سے مغلّظات کی بُوچھاڑ۔اب تو کہانی لکھتے وقت مجھے اُن بیلوں پر ترس آرہا ہے لیکن اُس وقت جب چلتے چلتے میں تھکاوٹ سے نڈھال ہو جاتا تو للچائی ہوئی نظروں سے اِن بیل گاڑیوں کی طرف دیکھتا۔اِس کے علاوہ جن کے پاس بھینس یا کوئی اور گھریلو جانور تھا اُنہوں نے اپنے سامان کے علاوہ ایک آدھ بچہ یا بُوڑھا بھی اُس بے چارے کی پیٹھ پر بٹھار کھا تھا۔کسی نے مرغا بغل میں دبایا ہوُا تھا۔کسی نے تازہ تازہ سُوئی ہُوئی بھینس کا کٹّا دونوں ہاتھوں پر اُٹھایا ہُوا تھا۔اور کٹے کے بوجھ تلے بے چارے کی ٹانگیں ٹیڑھی ہو کر تیر کمان کی طرح ہوئی جارہی تھیں۔کوئی اپنی اڑیل بکری کو کھینچے جارہا تھا اور کوئی اپنے گدھے کو مار مار کر ہلکان ہو رہا تھا۔میں نے بُہت سوں کو ضعیف ماؤں اور باپوں کو اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے دیکھا۔ایک عجیب منظر تھا۔ایک دلفگار سماں تھا۔

یہ ہجرت آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل بنی اِسرائیل کی مصر سے ارضِ مقدّس کی طرف ہجرت سے کسی طرح سے بھی کم نہ تھی۔اُنہوں نے بھی مذہب کے نام پر ہجرت کی اور ہم بھی مذہب کے نام پر پاکستان یعنی ارضِ مقدس کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور تھے۔فرعون کے لشکروں کی طرح ہمارا پیچھا بھی سِکھوں کے جتھے کر رہے تھے۔راستے میں جِس طرح بنی اسرائیل کو عمالیقی ڈاکوؤں کے حملوں سے دوچار ہونا پڑا اُسی طرح ہمارے قافلوں کو بھی سِکھوں اور ہندوؤں کے علاوہ اُن چوروں اور ڈاکوؤں سے واسطہ پڑا جن کا تعلق چوہڑوں اور چماروں سے تھا۔لیکن بنی اِسرائیلیوں کی ہجرت اور ہماری ہجرت میں ایک نمایاں فرق تھا۔وہ تو تین سو سال کی غلامی کے بعد اپنی مرضی سے مصر سے فرار ہو کر اپنے وطن کی طرف جارہے تھے لیکن ہمیں زبردستی اپنے وطن سے نکالا جارہا تھا۔بہر حال مجھے نہیں معلوم کب ہم ہوشیار پور کے پاس سے گزر گئے۔مجھے تو صرف اِتنا یاد ہے کہ شام ڈھلے ہم ایک چھوٹے سے ٹیلے کے ساتھ ساتھ ایک پکی سڑک پر جو جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی جارہے تھے۔جونہی ہم ایک چھوٹے سے قصبے کے پاس سے گزرے وہاں کے باشندے ہمارے قافلے کو دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے۔اِن میں زیادہ تر ہندو تھے۔بعض اُن میں سے دُکھ اور ہمدردی کا اِظہار کرتے تھے۔لیکن

اکثریت کی نظروں میں نفرت اور غُصّہ تھا۔ کبھی کبھی بچے اور نوجوان ہمیں پتھر بھی مارتے اور موقع پا کر بے بس اور کمزور عورتوں اور بچوں سے اُن کا سامان بھی چھین کر بھاگ جاتے۔

میں اور میری چار بہنیں تو صرف اپنی گٹھڑیاں اُٹھائے قافلے میں جا رہے تھے لیکن میری والدہ کو گٹھڑی کے علاوہ ایک اور بوجھ بھی اُٹھانا پڑتا تھا۔ یہ تھا میرا چھوٹا بھائی رشید جسے میری ماں کو اپنی گٹھڑی کے علاوہ پاکستان تک اُٹھا کر لانا پڑا۔ کیوں نہیں وہ اُس کا بیٹا تھا۔ اور بیٹا بھی سب سے چھوٹا۔ بہر حال ہم اپنی گٹھڑیاں اٹھائے سڑک کے ساتھ ساتھ انسانوں کی لمبی قطاریں آہستہ آہستہ لڑکھڑاتے جا رہے تھے۔ میں سخت تھکا ہُوا تھا اور ایک قدم بھی آگے نہ جانا چاہتا تھا لیکن میرے پاس اِس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ ہر ایک کی طرح میری ٹانگیں سوجی ہوئی تھیں اور میرے پاؤں زخمی تھے۔ میں نے زندگی میں پہلی دفعہ اس قدر پیدل سفر کیا تھا۔ راستے کی بارش کی وجہ سے ہماری گٹھڑیاں گیلی اور پہلے سے زیادہ بھاری ہو گئی تھیں۔ جی چاہتا تھا کہ اُن کو دور پھینک دوں لیکن ایسا ممکن نہ تھا اِس لئے کہ یہی گٹھڑیاں تو ہماری متاع حیات تھیں۔

گڑھا کیمپ

شام ڈھلے تک ہمارا قافلہ چلتا رہا۔ سورج کافی نیچے جا چکا تھا۔ اور آہستہ آہستہ ہر طرف اندھیرا چھا رہا تھا۔ ہم کوئی پندرہ بیس میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ اچانک قافلہ رک گیا۔ شاید اِس جگہ کا نام نصرالہ تھا۔ ہم کوئی دو دن یہاں پڑے رہے۔ دو دن کے بعد، ہماری قسمت نے یاوری کی اور یہاں سے ہمیں ایک ٹرک کے ذریعے گڑھا کے مشہور کیمپ میں پُہنچا دیا گیا۔ گڑھا جالندھر چھاؤنی کے پاس ایک گاؤں ہے جو مشہورِ زمانہ جی ٹی روڈ کے قریب واقع ہے۔ ہمیں بھی ٹرک والوں نے گڑھا کے قریب جی ٹی روڈ پر اُتار دیا۔ یہاں پر انسانوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ مرکزی مقام ہونے کی وجہ سے یہاں پر ہوشیار پور، جالندھر اور دیگر ارد گرد کے اضلاع کے مہاجرین کے قافلے یوں آ کر ملتے تھے جیسے چھوٹے بڑے دریا ایک بڑے سمندر میں آ کر گرتے ہیں۔ ہم لوگوں نے سڑک کے کنارے اپنا ڈیرہ جما لیا۔ ہمارے قریب سے ہی وہ ریلوے لائن گزرتی تھی جو جالندھر کو امرتسر کے راستے لاہور سے ملاتی تھی۔ اور یہیں سے سپیشل ٹرینیں مہاجروں کو لاہور جو اب پاکستان کا حصہ تھا تک پُہنچاتی تھیں۔ لوگ بڑی بے چینی سے سمندر کی بے قرار لہروں کی طرح منتظر رہتے کہ کب ٹرین آئے اور وہ سب سے پہلے اُس میں سوار ہو کر منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔ جب کبھی ٹرین آتی سمندری طوفان کی طرح سارے کیمپ میں ایک ہیجان برپا ہو جاتا۔ انسانوں کی لہریں ایک دوسرے سے ٹکراتیں جس سے کمزور اور ناتواں خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے اور بہت سی جانیں بھی ضائع ہو جاتیں۔ لیکن اِنسانی زندگی تو بہت ارزاں ہو چکی تھی۔ لوگ بے حِس انسانی لاشوں کے پاس سے گزر جاتے۔ بعض حالتوں میں تو وارثین بھی لاتعلقی کا اظہار کر دیتے تھے۔

ہم سب کے سب رشتہ دار جی ٹی روڈ کے کنارے شیشم کے ایک درخت کے سائے میں اپنی باری کے انتظار میں تھے۔ بلکہ یہ کہنا بہتر ہو گا کہ مناسب موقع کی تلاش میں تھے کہ کب ٹرین میں جگہ ملے اور ہم بھی اپنی انجانی منزل تک پہنچ سکیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے مون سون کی وجہ سے بارشیں ہر روز کا معمول تھیں۔ ہمارے گڑھا پُہنچنے کے ایکدن بعد ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ اور لگاتار دو دن تک ہوتی رہی۔ تمام لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں ایک دوسرے سے چپکے بیٹھے تھے۔ حسبِ سابق لوگوں نے کھیسوں، چادروں اور کمبلوں سے بارش سے بچاؤ کے لئے آڑیں بنائی ہوئی تھیں۔ بارش کا پانی جل تھل کی طرح ہر طرف بہہ رہا تھا۔ اور لوگ خاموشی سے ہر طرف بہتے پانی میں چپ چاپ بیٹھے تھے۔ کبھی کبھی اچانک ایک آدھ چیخ بلند ہوتی۔ ساتھ ہی رونے دھونے کی آوازیں آنے لگتیں۔ کسی کا عزیز انہیں داغِ مفارقت دے گیا ہے۔ کوئی منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی دِل

چھوڑ گیا ہے۔ یا پھر نجات پا گیا ہے۔ اِنہی حالات میں میری ایک خالہ زاد بہن کی بچی فوت ہوئی اور ہم نے اسے بارش کے تھمنے پر ایک چھوٹا سا گڑھا کھود کر اپنے پاس ہی سڑک کے کنارے دفنا دیا۔ اور اسی کیمپ میں ایک دو دِن بعد ماسی نذیراں جو کہ میری والدہ کی ماموں زاد ہے اور میری والدہ کی خالہ کے بیٹے نذیر احمد سے بیاہی ہوئی ہے، کے ہاں پہلا بیٹا انوار احمد پیدا ہوا۔ نامناسب حالات اور طبّی امداد کی کمی کی وجہسے یہ بچہ ساری عمر کیلئے اپاہج ہو گیا۔ نہ تو یہ بول سکتا ہے نہ ہی سن سکتا ہے۔ اور اعصابی لحاظ سے کمزور ہونے کی وجہسے نہ ہی ٹھیک سے چل پھر سکتا ہے۔ اور آج وہ چھپن سال کی عمر میں ضعیف ماں باپ کیلئے اور دیگر رشتہ داروں کیلئے وبالِ جان بنا ہُوا ہے۔ اِس لئے کہ اب وہ عمر کے اس حصے میں ہے کہ نہ تو وہ خود کھا پی سکتا ہے اور نہ ہی حوائجِ ضروریہ خود ادا کر سکتا ہے۔

خوش قسمتی سے ہمارے پاس بجری کا ایک ڈھیر تھا۔ ٹرک سے اترتے ہی ہماری والدہ نے اپنا سامان اس ڈھیر پر رکھ لیا تھا۔ اب جبکہ سب لوگ پانی میں بیٹھے تھے ہماری والدہ ہمیں اِسطرح اپنے ساتھ چپکائے اِس بجری کے ڈھیر پر بیٹھی تھی جیسے مرغی اپنے چوزوں کو پروں کے نیچے لے کر بیٹھ جاتی ہے۔ دو دن کی مسلسل بارش کے بعد ذرا سے بادل چھٹے تو مخلوقِ خدا میں حرکت پیدا ہوئی۔ اِس تھوڑے سے وقفے کو غنیمت جانتے ہوئے لوگوں نے اپنے کئی دنوں کے بھیگے کپڑوں کو سکھانے کی کوشش کے علاوہ گیلی لکڑیوں سے آگ سلگا کر کھانے پکانے کی بھی اپنی سی کوشش کی۔ گیلی لکڑیوں سے آگ کم اور دھواں زیادہ۔ عام حالات میں ہر کوئی دھوئیں سے بھاگتا ہے لیکن آج دھوئیں سے بھی ایک قسم کی راحت محسوس ہوتی تھی۔ اور اِس دھوئیں کا فیض عام تھا۔ جلانے والے کیلئے بھی اور نہ جلانے والے کیلئے بھی۔ سارا دن بارش کے بغیر گزر گیا لیکن شام کے وقت پھر ایک طرف سے کالی گھٹا اُٹھی اور اب کے زوردار بارش کا اِمکان تھا۔

نفسا نفسی کی انتہاء

میری والدہ نے دن کے وقت کیمپ سے کوئی دو سو میٹر کے فاصلے پر کھیتوں میں ایک چھوٹا سا کمرہ دیکھ رکھا تھا۔ جونہی ذرا اندھیرا چھایا وہ چپکے سے ہم پانچ چھوٹے بہن بھائیوں کو لے کر اِس جھونپڑی میں چلی گئی۔ جھونپڑی کے اندر گھُپ اندھیرا تھا۔ جونہی ہم اندر داخل ہوئے اچانک فرش پر سرسراہٹ پیدا ہوئی۔ اور پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ گھُپ اندھیرے کی وجہ سیہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔ ہم چپکے سے کھسکتے کھسکتے جھونپڑی کے ایک کونے میں پہنچ گئے۔ یہ دراصل کسی زمیندار کا سٹور تھا جس میں بوقتِ ضرورت مویشیوں کیلئے چارہ اور دیگر زمینداری کا سامان وغیرہ رکھا جاتا تھا لیکن اِس وقت یہ خالی معلوم ہوتا تھا۔ بارش کی وجہ سے باہر رات کے وقت خاصی خنکی تھی۔ لیکن اِس چھوٹے سے جھونپڑی نما کمرے کے اندر گھاس پُھوس کی وجہسے کافی گرمائش تھی۔ ہم سب خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر زمین پر لیٹ گئے۔ کچھ ہی دیر میں ہماری آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہو گئیں۔ اب ہمیں پتہ چلا کہ ہمارے علاوہ اور لوگ بھی اس کوٹھڑی میں موجود تھے۔ جو ہمارے آنے پر سہمے ہوئے معلوم ہوتے تھے لیکن جونہی اُن کو یقین ہوا کہ ہم بھی اُن کی طرح بارش کے ستائے ہوئے ہیں اور ذرا آرام چاہتے ہیں تو اُن کو تسلّی ہوئی اور وہ پھر آرام سے سو گئے۔ یا تو وہ بہت ہی اچھے لوگ تھے یا پھر شور شرابے سے ڈرتے تھے ورنہ عام حالات میں وہ ہمیں وہاں سے نکال باہر پھینکتے۔ بہر حال کئی دن کے جگراتے کے بعد آج سونے کیلئے کوئی آرام کی جگہ ملی تھی۔ جلد ہی میری آنکھ لگ گئی اور میں آرام سے سو گیا۔ اگرچہ چھت کہیں کہیں سے ٹپک رہی تھی لیکن پھر بھی بارش سے تو آرام تھا۔ ذرا نیند کی وجہ سے آرام آیا تو یوں لگا جیسے جسم پر چیونٹیاں سی لڑ رہی ہوں۔ لیکن نیند کا ایسا غلبہ تھا کہ ذرا سا پیٹھ کو رگڑا اور پھر کروٹ بدل کر سو گئے۔ سکھوں کے ڈر کی وجہ سے مجھے نہیں یقین کہ ہماری والدہ نے رات بھر پلک جھپکی ہو گی لیکن ہم سب بہن بھائی آرام سے سو گئے۔ ابھی نیند کا مزہ آنے ہی

لگا تھا کہ ہماری والدہ نے ہمیں جگادیا۔ کوٹھڑی میں ہمارے سوا کوئی نہ تھا۔ باہر ہلکی ہلکی سی آوازیں آرہی تھیں۔ کسی وقت بھی زمین کا مالک آسکتا تھا۔ اور پھر نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوتا۔ ہم نے جلدی جلدی اپنا سامان لپیٹا اور چپکے سے اپنی پہلی جگہ پر جو ابھی تک خالی تھی جا بیٹھے۔ آہستہ آہستہ اندھیرا چھٹنے لگا۔ اور روشنی پھیلنے لگی۔ اور لوگ حوائجِ ضروریہ کیلئے اور جس کے نصیب میں تھا ادائیگی نماز کیلئے حرکت میں آگئے۔ رات بھر بارش کے بعد مطلع بالکل صاف تھا۔ اور بادلوں کا نام ونشان تک نہ تھا۔ مشرق میں اُفق پر دھیرے دھیرے لالی چھارہی تھی۔ سورج اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ طلوع ہونے کی تیاری کررہا تھا۔ فضا میں ابھی تک کئی دنوں کی بارش کی وجہ سے خنکی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اچھی خاصی روشنی ہوگئی۔ اچانک ہمیں احساس ہوا کہ آپا حفیظ اور بھابی شریفاں اُس جگہ پر موجود نہیں جہاں پر ہم رات جاتے وقت انہیں چھوڑ کر گئے تھے۔ والدہ صاحبہنے جلدی سے اِدھر اُدھر دیکھا تو معلوم ہُوا کہ ہمارے تمام رشتہ دار وہاں پر موجود نہیں ہیں۔ ہم سب کچھ بھول بھال کر سارا دِن اِنہیں اِنسانوں کے اِس بحرِ بیکراں میں ڈھونڈھتے رہے مگر اُن کا تو کوئی نام ونشان ہی نہ ملتا تھا۔ آخر کسی جاننے والے نے بتایا کہ وہ سب رات کے وقت ایک سپیشل ٹرین سے پاکستان کیلئے روانہ ہوگئے ہیں۔ جانے سے پہلے اُنہوں نے تم لوگوں کو بہت تلاش کیا تم نہ ملے تو وہ چلے گئے۔ اِس کے بعد تلاش بے سود تھی۔ چنانچہ ہم نے اُن کی تلاش چھوڑ دی۔ اور سڑک کے کنارے والی جگہ چھوڑ کر کیمپ کے اندر قدرے محفوظ مقام پر منتقل ہوگئے۔

ہماری ماں انسانوں کے اِس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں اب اکیلی پانچ بچوں کے ساتھ اُس مُلّاح کی طرح کھڑی تھی جِس کی کشتی کے بادبان طوفانی ہواؤں کے تھپیڑوں سے خونخوار لہروں کی نظر ہوگئے ہوں اور جِس کے پاس اِس ڈگمگاتی کشتی کو کنارے پر پُہنچانے کیلئے چپو تک نہ ہو۔ سکھوں کے علاوہ ہر قماش کے لوگ اِن کیمپوں میں موجود تھے۔ اور وہ بھی اِس ارضِ مقدس کی طرف شیطان اور اُس کے چیلوں کی طرح ہمارے ساتھ سفر میں شامل تھے۔ چوری چکاری، لوٹ گھسوٹ، لڑائی جھگڑا، دنگافساد، اغوااور قتل وغیرہ کی وارداتیں بھی روزمرّہ کا معمول تھا۔ امن وامان کے ذمہ دار لوگ بے بس تھے۔ طاقتور اور چھڑے چھانٹ جِن کی اپنی کوئی ذمہ داری نہ تھی اِس قسم کی وارداتوں کیلئے ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ اِن حالات میں ہمارا حفاظت کے ساتھ پاکستان پہنچنا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ لیکن میری والدہ، خدا اُسے کروٹ کروٹ اپنی رحمتوں سے نوازے، ایک پہاڑ کا سا عزم رکھتی تھی۔ وہ بہادری اور شجاعت کا ایک پُر شکوہ نمونہ تھی۔ جِس ہِمّت اور جُرّأت کے ساتھ اس نے ہمیں بحفاظت منزلِ مقصود تک پُہنچایا اُس کے متعلق سوچ کر آج بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ مرد ہوتے ہوئے بھی شاید میں یہ کام نہ کر پاتا۔ اے اللہ میری ماں کو تو جنت الفردوس میں وہ مقام عطا کر جو تو اپنے خاص مقرّبین کو عطا کرتا ہے۔ آمین یا اَرحَمَ الرّٰحِمین۔ ستمبر کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ مون سون کا زور بھی کم ہو چکا تھا۔ دِن کے وقت دھوپ سے موسم اچھا خاصا خوش گوار ہو گیا تھا۔ دِن کے وقت کیمپ میں میلے کا سا سماں ہو جاتا تھا۔ تاجر پیشہ لوگ یہاں بھی اپنا دھندا کر رہے تھے۔ اور ضروریاتِ زندگی کا سامان کافی مہنگے داموں فروخت کرتے تھے۔ ایسے میں مجھے بھی خیال آیا کہ کیوں نہ چائے کا سٹال لگا کر کمائی کی جائے۔ چنانچہ میں نے بڑی ضد کے ساتھ والدہ صاحبہ سے ایک روپیہ لیا۔ آدھ سیر دودھ خریدا۔ چائے کی پتّی اور چینی ہمارے پاس تھی۔ چنانچہ دو اینٹیں رکھ کر میں نے ایک چولہا بنایا۔ اور اُس پر ایک چھوٹی سی کڑاہی رکھ کر نیچے بڑی مشکل سے گھاس پھوس اکٹھا کر کے آگ جلائی۔ جب پانی ذرا گرم ہوا تو اُس میں پتّی اور چینی بیک وقت ڈال دی۔ لیکن آگ تھی کہ جلتی ہی نہ تھی۔ میں پھونکیں مارتا، آگ ذرا سی جلتی اور پھر بُجھ جاتی۔ میں پھر پھونکیں مارتا۔ پھونکیں مار مار کر میرا سانس پھول گیا۔ میری پھونکوں سے راکھ اُڑ اُڑ کر کچھ تو چائے کے پانی میں مل جاتی اور کچھ میری آنکھوں میں پڑتی۔ راکھ اور دھوئیں سے میری ناک، اور آنکھوں سے مسلسل پانی جاری تھا۔ خدا خدا کر کے پانی کا

ذرا سا رنگ نکلا۔ میں نے فوراً دودھ ڈال دیا۔ دودھ کے پڑتے ہی چائے پھر ٹھنڈی ہو گئی۔ بڑی مشکل سے پھر پھونکیں مار مار کر اُسے گرم کیا۔ لیکن یہ چائے کی بجائے کچھ اور ہی چیز نظر آتی تھی۔ لیکن میں زور زور سے گرم چائے گرم چائے کی آوازیں لگا رہا تھا۔ لوگ میرے پاس سے مسکراتے ہوئے گزر جاتے لیکن کوئی میری چائے نہ پیتا۔ جب میں گرم چائے!! گرم چائے!! کے نعرے لگا لگا کر ہلکان ہو گیا تو میری بہنوں میں سے ایک کو مجھ پر ترس آ گیا۔ وہ چھوٹی کا کی تھی۔ پتہ نہیں اُس نے کہاں سے ایک پیسہ لیا اور مجھ سے ایک کپ چائے پی۔ یہ تھا میری کاروباری زندگی کا پہلا سبق۔

ناقابلِ فراموش ریل کا سفر

ہمیں گڑھا میں اور چند دِن رُکنا پڑا۔ گاڑیاں آتیں اور بھر کر پاکستان کو چلی جاتیں۔ رَش کی وجہ سے ہمیں گاڑی میں سوار ہونے کا موقع نہ ملتا۔ آخر کار ایک گاڑی میں ہم بھی سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اِس دفعہ ٹرین کے انتظار میں ہم پلیٹ فارم پر ہی بیٹھے رہے۔ جب گاڑی آئی تو تقریباً فُل تھی۔ لیکن میری والدہ نے ہمت نہ ہاری اور بڑی جوانمردی سے ایک ڈبے میں کچھ جگہ دیکھتے ہی مسافروں کے احتجاج کی پرواہ کئے بغیر کھڑکی کے راستے اپنا سامان ڈبے میں پھینکنا شروع کر دیا۔ میری بہنیں والدہ صاحبہ کو سامان پکڑاتی جاتیں اور والدہ صاحبہ اندر دھکیلتی جاتیں۔ اِس اثنا میں میں اور میری بہنیں بھی اندر جانے میں کامیاب ہو گئے۔ سب سے آخر میں اُنہوں نے رشید کو اُٹھایا اور ڈبے کے اندر گھسیڑ دیا ہم سب نے اُسے پکڑ کر اُس کی چیخ و پکار کی پرواہ کئے بغیر اندر کھینچ لیا۔ اور آخر میں چیختے چِلاتے مسافروں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ خود ڈبے میں گھس گئیں۔ اگرچہ ہم گاڑی کے اندر پہنچ چکے تھے لیکن ہم سب یوں اِس ڈبے میں پھنسے ہوئے تھے، جیسے بوری میں روئی۔

ہمارے گڑھا سے روانگی سے ایک دو دن قبل یہ خبر عام پھیل چکی تھی کہ وہ سپیشل ٹرینیں جن کا عملہ غیر مسلمانوں پر مشتمل تھا سِکھ لیڈروں کی ملی بھگت سے بیاس دریا اور امرتسر کے درمیان روک کر لوٹ لی گئیں اور تمام کے تمام مسافروں کو تہہ تیغ کر دیا گیا تھا۔ یہ خبر ہمارے لئے بہت ہی غمناک تھی اِس لئے کہ ہمارے سارے رشتہ دار جن میں میری بڑی بہن آپا حفیظ اور بھابی شریفاں بھی شامل تھیں ہم سے پہلے بذریعہ سپیشل ٹرین پاکستان کی طرف جا چکی تھیں۔ ہمیں اُن کی کوئی خبر نہ تھی۔ ان خبروں کی وجہ سے لوگ ٹرین میں سوار ہونے سے پہلے تو ہچکچاتے رہے لیکن جب اُنہیں پوری طرح سے یقین ہو گیا کہ اِس دفعہ ٹرین کا حفاظتی دستہ مسلمان فوجیوں پر مشتمل ہے تو لوگ ٹڈی دل کی طرح ٹرین پر جھپٹ پڑے۔ ہم چونکہ پہلے پلیٹ فارم پر موجود تھے اِس لئے ہمیں بھی گاڑی میں سوار ہونے کا موقع مل گیا۔

سکھوں کے متوقع حملہ کے پیشِ نظر اِس دفعہ ٹرین کے حفاظتی دستے نے سخت حفاظتی اِقدام کر رکھے تھے۔ ٹرین کے آگے پیچھے اور درمیان میں چھت کے اوپر چاک و چوبند مسلح جوان متعین تھے۔ اور حفاظتی عملے کے علاوہ کسی کو ٹرین کی چھت پر سوار ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اور نہ ہی کسی کو ٹرین کے پائیدان پر کھڑے ہونے یا باہر لٹک کر سفر کرنے کی اجازت تھی۔ یہ بھی اعلان کر دیا گیا تھا کہ بیاس دریا سے امرتسر گزرنے تک گاڑی کی تمام کھڑکیاں بند رکھی جائیں۔ اور یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ یہ گاڑی پاکستان پہنچنے سے پہلے کہیں بھی نہیں رُکے گی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے چند دنوں سے بارشیں رُکی ہوئی تھیں جِس کی وجہ سے دِن کے وقت کافی گرمی ہو جاتی تھی۔ گاڑی کے اندر ہم ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہوئے بمشکل کھڑے تھے۔ گاڑی کے دروازے حفاظتی دستے نے خود آ کر بند کروائے اور سختی سے حکم دیا کہ کسی صورت میں بھی دروازہ نہ کھولا جائے۔ چنانچہ دونوں طرف کے دروازے بند ہونے سے اندر کافی گرمی اور حبس ہو گیا تھا۔ سب لوگ پسینے سے شرابور ہو رہے تھے۔ بچوں کی حالت خاصی خراب تھی اور اُنہوں نے چیخیں مار مار کر سارا ڈبہ سر پر اُٹھایا ہُوا تھا۔ خدا خدا کر کے آخر کار ٹرین روانہ ہوئی۔ خوشی کے چند ایک نعرے بلند ہوئے اور پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ ٹرین

کی رفتار جوں جوں بڑھتی گئی توں توں ہوا کے جھونکے بھی ڈبے کے اندر تیزی سے آنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں مسافروں کے حواس دُرست ہو گئے۔ آہستہ آہستہ بچوں کو بھی سکون آ گیا۔ اور کچھ تو ٹرین کے چند ایک جھٹکوں کی وجہسے اور کچھ منزل کی طرف باسہولت روانگی کی خوشی کی وجہسے پہلے جو یہ چھوٹا سا ڈبہ بے حد تنگ محسوس ہوتا تھا اب اچھا خاصا وسیع نظر آنے لگا۔ اب لوگ ایک دوسرے کی طرف غصے سے نہیں ہمدردی سے دیکھ رہے تھے۔ اور وہ جو پہلے سیٹوں پر براجمان تھے خود کو سکیڑ کر دوسرے حاجت مندوں کو اپنے ساتھ بٹھا رہے تھے۔ سب کیلئے بیٹھنے کی جگہ تو نہ تھی لیکن اب ذرا کھڑا ہونے میں آسانی ہو گئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے مجھ پر غنودگی سی چھا گئی اور پھر میں سو گیا۔ کہتے ہیں کہ نیند تو انسان کو پھانسی کے تختے پر بھی آ جاتی ہے۔ یہی حال کچھ میرا تھا۔ پتہ نہیں کب بیاس دریا آیا اور گزر گیا۔ اچانک گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گئی۔ اور ساتھ ہی میری آنکھ بھی کھل گئی۔ حسبِ حکم تمام دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں۔ اور ہوا کے نکاس کے رک جانے سے گاڑی کے اندر پھر وہی سماں ہو گیا جو ٹرین کے گڑھا سے چلنے سے پہلے تھا۔ ایک دفعہ پھر لوگ پسینے سے شرابور تھے اور بچے بلبلا رہے تھے۔ لیکن اِس دفعہ لوگ سہمے ہوئے تھے۔ سب نے سانس سادھ رکھی تھی۔ باہر پلیٹ فارم پر ہماری ٹرین کے محافظوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ نوجوان بے بس تھے اور سب کچھ برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ عمر رسیدہ لوگ اللہ سے خشوع و خضوع سے دُعا مانگ رہے تھے۔ بوڑھی عورتیں غم سے نڈھال تھیں۔ میری بڑی بہنیں بھی سہمی سہمی چپ چاپ کھڑی تھیں۔ لیکن میں نے پیاس کی شدت سے چیخ چیخ کر دوسرے بچوں سے بھی زیادہ آسمان سر پر اُٹھایا ہُوا تھا۔ اور بار بار پانی مانگ رہا تھا۔ لیکن میری والدہ پر سکون کھڑی تھیں۔ وہ ہر گز گھبرائی ہوئی دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ لبتہ وہ حسبِ عادت دِل ہی دِل میں دُعا ضرور کر رہی تھیں۔ نہ تو وہ مجھے خلافِ معمول جھڑک کر چپ کرا رہی تھیں اور نہ ہی مجھے پیٹ رہی تھیں۔ اُن کی آنکھوں میں مامتا کا پیار اور بے بسی تھی۔ باہر پلیٹ فارم پر ہماری ٹرین کے محافظوں کی اِدھر اُدھر دوڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آخر کار تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد گاڑی دوبارہ چل پڑی۔ لیکن یہ آدھا گھنٹہ ہمارے لئے ایک سال سے بھی بھاری تھا۔ آہستہ آہستہ لوگوں نے کھڑکیاں دوبارہ کھولدیں۔ اور ٹھنڈی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے پیاس میں کچھ کمی آئی۔ لیکن پیاس کی شدت سے میرا ابھی تک بُرا حال تھا۔ ہم ابھی کوئی دو تین میل ہی آئے ہونگے کہ اچانک گاڑی پھر ایک جھٹکے سے رُک گئی۔ یہ ایک اُجاڑ جگہ تھی۔ اِرد گرد جھاڑیاں اور اونچا اونچا سرکنڈہ تھا۔ لوگوں پر ایک دفعہ پھر سکتہ طاری ہو گیا۔ ہر طرف خاموشی۔ لیکن مجھے کسی ڈر کا اِحساس نہ تھا۔ مجھے تو یہ پتہ تھا کہ مجھے سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔ گاڑی کے رُکتے ہی میں نے پھر زور زور سے پکارنا شروع کر دیا :

بی بی پانی! بی بی پانی!

دوسری عورتوں کی طرح گھبرا کر نہ تو میری ماں نے مجھے مارا اور نہ ہی چپ رہنے کیلئے کہا بلکہ اُس نے کھڑکی میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ پھر اُس نے بجلی کی سی پھرتی سے دروازہ کھولا اور گاڑی سے باہر کود گئی۔ اُس کے باہر کودتے ہی ہر طرف لوگوں نے شور مچا دیا۔ ارے کیا کر رہی ہو۔ پاگل ہو گئی ہو۔ واپس آؤ! واپس آؤ! لیکن اُس نے کسی کی نہ سنی اور چند ہی لمحوں میں پانی کا ایک لوٹا لئے واپس آ گئی۔ میری پیاس کی وجہ سے اصل میں وہ موقع کی تلاش میں تھی کہ جونہی کہیں پانی ملے وہ میرے لئے لائے۔ اب جبکہ شہر سے باہر گاڑی رُکی تو ریلوے لائن سے ذرا ہٹ کر اُسے ایک گڑھے میں پانی نظر آیا۔ ماں کی مامتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس نے اپنی جان کی پرواہ نہ کی اور ایسے وقت اور موقع پر بظاہر معمولی پانی کیلئے انجانے خطرے میں کود پڑی۔ عاقل اور دانشمند اِسے حماقت اور بے وقوفی کی اِنتہا گردانیں گے۔ لیکن جہاں عقل اور دانش بے بس ہو جائیں وہاں ماں کی ممتا اور محبت کا دائرۂ اِختیار شروع ہو جاتا ہے۔ اُس وقت میری ماں (اللہ تعالیٰ ہمیشہ اُسے اپنی رحمت اور فضل کی چھتر چھاؤں میں رکھے) کے سر پر صرف ایک ہی دھن سوار تھی۔ اور وہ یہ کہ اُس کے

بچے پیاسے ہیں اور اُن کو پانی چاہیئے۔ماں کی مامتا کی ایسی مثالیں صرف قصوں اور کہانیوں میں موجود ہیں لیکن یہ میری آپ بیتی ہے۔اب بھی جب کبھی میں اکیلے میں بیٹھ کر اِس بارہ میں غور کرتا ہوں تو سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں اور اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ وحیدا گر اُس وقت اپنی ماں والے حالات میں تم ہوتے تو کیا کرتے؟ میرا سر شرم سے جُھک جاتا ہے اور بے اِختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں جو میری بے بسی کا ثبوت ہوتے ہیں۔اور پھر دِل سے ایک ہُوک اُٹھتی ہے۔یاپروردگار! میں تو بے حد کمزور انسان ہوں۔ایسی آزمائش میں نہ ڈالیو جس میں میں پورا نہ اُتر سکوں۔اور میری والدہ کو ہماری بخشش کیلئے اپنے حضور شفاعت کا حق ضرور دیجیو۔ہمارے اپنے دامن تو بالکل خالی ہیں۔ہم تو تہی دست ہیں۔ہم نے تو اپنی زندگی میں اُس کی جی بھر کر خِدمت بھی نہیں کی۔بلکہ ہم سے اُس کے حق میں بہت سی زیادتیاں بھی ہوئی ہیں۔اللہ مجھے مُعاف کرنا۔میں اپنی ماں کا ابھی تک مقروض ہوں۔ اب اگرچہ وہ ہم سے جدا ہو گئی ہے۔اور بُہو۔۔۔ت دُو۔۔۔ر جا چکی ہے۔لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ میرے دِل میں بستی ہے۔اور اُس کی نیک خواہشات اور دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہتی ہیں۔

اپنوں کی تلاش میں

کچھ ہی دیر کے بعد گاڑی دوبارہ چل پڑی اور پھر اٹاری اور واہگہ کے راستے ہم شام تک لاہور پہنچ گئے۔ہمیں لاہور چھاؤنی کے ریلوے سٹیشن پر اُتار دیا گیا۔ لاہور پہنچتے ہی ہم نے اپنے کھوئے ہوئے رشتہ داروں کی تلاش شروع کر دی۔پہلے ہم نے انہیں پوری لاہور چھاؤنی میں تلاش کیا۔پھر اگلے دِن والٹن کے مہاجر کیمپ کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن اُن کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔والٹن کے مہاجر کیمپ میں ہماری ملاقات بوُازیبنے کے داماد اور اُس کے نواسوں اکرم اور اسلم سے ہو گئی۔ان کی کہانی بے حد اندوہناک تھی۔اُنہوں نے بیان کیا کہ جب وہ اُچّے پِنڈ سے اپنا گھر بار چھوڑ کر نکلے تو راستہ میں برساتی نالہ پار کرتے وقت پہاڑوں میں لگاتار بارشوں کی وجہ سے اچانک نالہ میں زبردست طغیانی آگئی۔اور پانی کے پے در پے ریلے اِس تیزی سے آئے کہ لوگوں کو اپنا بچاؤ کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔اور پانی کی لہریں مہاجروں کی بیل گاڑیوں تک کو بہا کر لے گئیں۔اُنہوں نے روتے ہوئے بتایا کہ کس طرح اُن کی ماں محمد بی بی اور خالہ جو اُن کے ہاں مہمان آئی ہوئی تھی چیختی چِلاتی پانی کی لہروں کے آگے بے بس ہو کر دونوں بہنیں اُن کی آنکھوں کے سامنے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے سیلاب کی نظر ہو گئیں۔یہ دونوں میری پھوپھی زینب بی بی کی بیٹیاں تھیں۔اُنہوں نے بتایا کہ یہ طوفان نوح کا سا سماں تھا۔ہر کسی کو اپنی جان کی فکر تھی کوئی کسی کی چاہتے ہوئے بھی مدد نہ کر سکتا تھا۔پانی کی بپھری ہوئی تیز لہروں کے سامنے سب بے بس تھے۔اور یہ طوفانی لہریں ہر چیز بشمول مال مویشی اور ڈھور ڈنگر خس وخاشاک کی طرح بہا کر لئے جا رہی تھیں۔ہر شخص کوئی نہ کوئی سہارا ڈھونڈتا۔جس کے ہاتھ جو چیز لگتی اُس کو پکڑ کر پانی کے تھپیڑوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔جس کی قسمت یاوری کرتی وہ کسی مضبوط درخت یا اونچے ٹیلے پر چڑھنے میں کامیاب ہو جاتا۔کمزور درختوں کو تو پانی کا تھپیڑا اپنے ساتھ جڑ سے اُکھیڑ کر لے جاتا۔ایک ایک درخت پر کئی انسانوں کے علاوہ سانپ، بِچھو اور چوہے وغیرہ بھی اپنی جان بچانے کی خاطر چڑھے ہوئے تھے۔لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اِس وقت ایک مشترکہ آفت کی وجہ سے سب ایک دوسرے سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کئے ہوئے تھے۔خوش قسمتی سے یہ تینوں باپ بیٹے بھی کسی نہ کسی طرح درختوں پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔لیکن اپنی عورتوں کی چاہتے ہوئے بھی مدد نہ کر سکے۔اور اُن کو اِن کے سامنے طوفانی لہریں نگل گئیں۔تین دِن تک لگاتار موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔اوپر آسمان سے پانی برس رہا تھا اور نیچے ٹھاٹھیں مارتی پانی کی لہریں۔قیامت کا منظر تھا۔تیسرے دِن جا کر کہیں بارش رُکی اور برساتی نالے کے پانی کی شدت میں بھی کمی آئی۔جب پانی اُترا تو لوگوں نے بھی آہستہ آہستہ درختوں سے نیچے اُترنا شروع کیا۔اب وہ لٹے پُٹے بے سروسامان کھڑے تھے۔اُن کا مال ومتاع سیلاب کی نظر ہو چکا تھا۔اُن کی محبت

کرنے والیوں کو سیلاب ہڑپ کر چکا تھا۔اُن کی دنیا لُٹ چکی تھی۔ لیکن دنیا بر اُمید قائم۔ جب تک سانس تب تک آس۔ جب ذرا ہوش ٹھکانے آئے، گُم شُدہ بیبیوں کی تلاش شروع کر دی۔ کہاں جاتے۔ کس سے فریاد کرتے۔ ارد گرد سب دشمنوں کا علاقہ تھا۔ کوئی حکومت نہ تھی۔ کوئی دادرَس نہ تھا۔اُن کا کوئی سراغ نہ ملا۔اُن کو تو سیلاب کھا گیا تھا۔ لیکن بعض کے مطابق سیلاب سے تو وہ بچ گئی تھیں لیکن سکھوں سے نہ بچ سکیں اور ان کی ہوس کا شکار ہو گئیں۔ جتنے مُنہ اُتنی باتیں۔ صبر شکر کر کے گرتے پڑتے وہ لاہور پُہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔اب غمزدہ باپ بچے کھچے خاندان میں سے دونوں بیٹوں کو لئے والٹن کے مہاجر کیمپ میں پڑا تھا۔ دونوں لڑکے ہیضہ کی زبردست لپیٹ میں تھے اور بیماری کی شدت سے سوکھ کر کانٹا ہو چکے تھے اور اُن کے بچنے کی کچھ امید باقی نہ تھی۔ مزید براں سوائے پھٹی پرانی دھوتیوں کے دونوں کے تن پر کوئی کپڑا نہ تھا۔اِن نامساعد حالات میں بھی وہ بیماری کے خلاف بڑی جواں مردی سے نبرد آزما تھے۔اور بے چارہ باپ اپنی ہمت اور بساط کے مطابق دونوں بیٹوں کی دیکھ بھال اور تیمارداری میں دِن رات ایک کر رہا تھا۔ جب بچھڑوں کی یاد آتی تینوں مل کر رو دھو لیتے۔ میں تو بچہ تھا لیکن اِن کے ساتھ مل کر میری والدہ بھی بُہت روئی۔اور پھر وہیں پر بیٹھ کر اُس نے ایک کھیس کو کاٹ کر اپنے ہاتھ سے کُرتے سی کر اُن دونوں لڑکوں کو پہنائے۔

نیا وطن نئے لوگ

اِس کے بعد میری والدہ جودھامل بلڈنگ میں قادیان سے آئے ہوئے مہاجروں میں اپنے چھوٹے بھائی حافظ بشیر احمد کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اور ہم بھی اُس کے پاس جودھامل بلڈنگ میں جماعت احمدیہ کے کیمپ میں آ گئے۔ وہاں پر کھانے اور رہائش کا قدرے بہتر بندوبست تھا۔ یہاں پر ہمیں ہیضہ کے خلاف حفاظتی ٹیکے بھی لگائے گئے۔اوروں کا تو مجھے کچھ پتہ نہیں لیکن جب میرے چھوٹے بھائی رشید کو ٹیکہ لگایا گیا تو ناتجربہ کار کارکن نے چوتڑ کی بجائے اُس کے ننھے سے سوکھے ہوئے بازو میں موٹی اور لمبی سی سوئی جب زبردستی گھسیڑنے کی کوشش کی تو سوئی ٹیڑھی ہو گئی۔اور ساتھ ہی رشید کی بھی چیخیں نکل گئیں۔ جب ذرا سکون مِلا تو ہم نے پھر رشتہ دارون کی تلاش شروع کر دی۔ ماموں بشیر کو بھی پتہ نہ تھا کہ باقی رشتہ دار کہاں ہیں۔اِس طرح کیمپوں میں تلاش کے دوران ہمیں کسی جاننے والے نے بتایا کہ ہمارے سب رشتہ دار خیریت سے ہیں اور بوریوالہ کے قریب ضلع منٹگمری کے گاؤں چک نمبر ۲۶۹ میں پہنچ گئے ہیں۔اِس کے بعد مجھے علم نہیں کہ ہم کیسے وہاں پہنچے لیکن اِس کے بعد کچھ عرصہ کیلئے ہم اپنے باقی رشتہ داروں کے ساتھ چک نمبر ۲۶۹ کے ایک بہت کھلے اِحاطہ میں رہائش پذیر تھے۔ ہر ایک خاندان کیلئے اپنا کمرہ تھا۔ ہمیں بھی ایک کچا مگر کھلا کمرہ ملا ہوُا تھا۔ سوائے بائی حفیظ اور بائی قدیر کے اب ہم پھر سب بہن بھائی اور بھابی شریفاں ایک ساتھ تھے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد بھابی شریفاں کی والدہ بھی اپنے بھائیوں کے ہمراہ پہنچ گئی۔ موسم کی خنکی کو محسوس کرتے ہوئے میں اندازاً کہہ سکتا ہوں کہ ہم اکتوبر کے آخر میں وہاں پہنچے تھے۔اِن کے آنے سے ایک ہلچل سی مچ گئی۔ بھابی شریفاں کی ایک رشتہ دار تھی۔اُس کے پانچ چھ چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ جب وہ آئے تو اُن کے پاس سر چھپانے کیلئے جگہ نہ تھی۔ میری والدہ نے ترس کھا کر چند دِن کیلئے انہیں اپنے کمرے میں سونے کی اجازت دے دی۔ کچھ دِن گزرے تو اُس نے بجائے اپنا کسی اور جگہ بندوبست کرنے کے وہاں پر پکا ہی ڈیرہ جما لیا اور بات بات پر میری والدہ سے لڑنے جھگڑنے لگی۔ جب میری والدہ اُس کے رشتہ داروں سے شکایت کرتی تو اُلٹا وہ بھی ہم سے اُلجھتے۔ اور کہتے کہ یہ تمہارا کمرہ نہیں ہے سکھوں کا ہے۔ اگر تم لوگوں کو تکلیف ہے تو اپنا بندوبست کر لو وہ کہیں نہیں جائے گی۔ اللہ نے میری ماں کی نیکی کا بدلہ اُسے یوں دیا کہ کچھ ہی دنوں بعد ہمیں چک نمبر ۸۸ ج ب ہسیانہ ضلع لائل پور میں زمین الاٹ ہو گئی۔اور ہم وہاں چلے آئے۔اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ۱۹۴۷ء کے نومبر کے آخیر یا دسمبر کے شروع میں ہم صحیح سلامت اُس مُقام پر پُہنچ گئے جو پاکستان میں اب ہمارا وطن

تھا۔ عارضی یا مستقل یہ ربِ علیم و خبیر جانتا تھا۔ یہاں تک پُہنچتے پُہنچتے خاصی سردی ہوگئی تھی۔ ہم سب کو رہائش کیلئے گاؤں سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے رجواہے کے کنارے ڈیڑھ ایکڑ کا ایک کچا اِحاطہ مل گیا۔ قبل ازیں خالو نیاز احمد کا چھوٹا بھائی عزیز احمد اور اُس کے رشتہ دار یہاں آکر آباد ہو چکے تھے۔ دراصل یہ جگہ گاؤں کے سکھ جاگیر دار نے اپنے مویشیوں کیلئے قطار وار کچے کوٹھوں کی شکل میں تعمیر کروار کھی تھی۔ عرفِ عام میں اِسے ڈیرہ کہتے ہیں۔ ہمارے آٹھ افراد پر مشتمل گھرانے کو ڈیرے کے اِن کوٹھوں میں سے ہمیں بھی دو شہتیروں والا ایک کچا کوٹھا مل گیا۔ کھانا پکانے اور نہانے دھونے کیلئے کوئی جگہ نہ تھی۔ البتہ حوائجِ ضروریہ کیلئے باہر کھلے آسمان کے نیچے کھیتوں میں کافی جگہ تھی۔ واہ میرے مولیٰ کیا عجیب انقلاب تھا! کہاں ہمارا پھگلانہ کا پختہ مکان جس میں ضروریات زندگی کی سب سہولتیں موجود اور کہاں یہ مویشیوں کا کچا کوٹھا !! مجھے یہاں یہ بات تسلیم کرنے میں ذرا بھی عار نہیں کہ اُس وقت زندگی گزارنے کیلئے اِن کم سے کم سہولیات کو پاکر بھی ہم اپنے آپ کو بے حد خوش قسمت اِنسان تصور کرتے تھے۔ چنانچہ ۲۴ مربع گز کے اِس کچے کوٹھے کو پاکر بھی ہم بے حد خوش اور مطمئن تھے۔ اِس لئے کہ یہ ہمارا اپنا گھر تھا۔ در اصل اپنے گھروں سے بے گھر کئے جانے کے بعد، اپنا سب کچھ کھو دینے کے بعد، بے یقینی کے عالم میں طرح طرح کے کیمپوں میں بے وطنی کی زندگی گزارنے کے بعد اور پاکستان پہنچنے کی جستجو میں چار ماہ کے خوفناک حد تک تھکا دینے والے سفر کی صعوبتیں اٹھانے کے بعد آخر کار ہمیں پھر سے ایک گھر نصیب ہوا تھا جو ہمارا اپنا تھا۔ در حقیقت ہمیں اِس بات کا یقین ہی نہ تھا کہ ہم اپنی منزلِ مقصود تک صحیح سلامت پہنچ بھی سکیں گے یا نہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے اِس نئے وطن سے اُنس ہوتا گیا۔ اِس کی اپنی خوبیاں تھیں۔ گاؤں سے اگرچہ ہم دور رہتے تھے لیکن وہاں کی فضا ستھری تھی جہاں چھوٹی سی ایک نہر ہمارے پاس سے گزرتی تھی۔ جبکہ گاؤں میں لوگ میٹھے پانی کیلئے ترستے تھے ہمارے پاس پوری نہر تھی، علاوہ ازیں ہمارے اِحاطے کے عین وسط میں ایک چھوٹا سا کنواں بھی تھا۔ ارد گرد کی آبادیوں میں سے صرف ہمارے اِس کنویں کا پانی میٹھا اور پینے کے قابل تھا۔ باقی ہر جگہ زیرِ زمیں پانی کڑوا رتھا۔ اِس لئے صبح شام اِس چھوٹے سے کنویں پر پانی بھرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ہم سے کوئی میل بھر کے فاصلے پر ایک اور چھوٹی سی آبادی تھی۔ اِس کا نام ملک پورہ تھا۔ یہاں پر اِس علاقے کے پرانے باشندے جنہیں لوگ جانگلی کہتے تھے آباد تھے۔ اِن کی عورتوں کا لباس عام طور پر سیاہ رنگ کا ہوتا۔ وہ شلوار کی بجائے مردوں کی طرح دھوتی پہنتیں۔ یہ عورتیں بے حد جفاکش تھیں۔ مردوں کے شانہ بشانہ کھیتی باڑی کا کام بھی کرتیں اور گھر اور بچوں کی دیکھ بھال بھی اِن کے ذمے تھی۔ شام کے وقت جب یہ جانگلیانیاں سر سے لیکر پاؤں تک سیاہ رنگ کے کپڑوں میں ملبوس، قطار کی شکل میں سرسبز لہلہاتے کھیتوں کی منڈھیروں پر بل کھاتی پگڈنڈیوں پر سروں پر تین تین گھڑے ٹکائے، ہمارے کنویں سے پانی بھرنے کیلئے دُور سے نمودار ہوتیں تو ایسا لگتا جیسے کوہ قاف سے پریاں اُتر رہی ہوں۔ وہ کنویں سے پانی بھرتیں اور خود ہی پانی سے بھرے گھڑے ایک دوسری کے سروں پر رکھواتیں اور اُسی ڈھب سے واپس اپنی آبادی کی طرف چل پڑتیں۔ پانی سے بھرے اِن گھڑوں کو اُٹھائے وہ کھالوں کو اِس مہارت سے پھلانگ جاتیں کہ گھڑے کا گرنا تو ایک طرف اُس میں سے پانی کا ایک قطرہ بھی باہر چھلکنے نہ پاتا۔ برعکس اِس کے گاؤں میں بسنے والے ہمارے راجپوت بھائی سارا سارا دِن کھیتوں میں جان مارتے اور شام کو کندھوں پر گھڑے اُٹھائے میٹھا پانی ڈھونڈتے پھرتے۔ کچھ عرصہ وہ بیل گاڑیوں پر گھڑے رکھ کر ہمارے کنویں سے بھی پانی لینے آتے رہے۔ گرمیوں کے موسم میں بعض دفعہ اِس چھوٹے سے کنویں کا پانی زیادہ کشید کرنے کی وجہ سے کم پڑ جاتا لیکن ہم نے پھر بھی کسی کو پانی بھرنے سے منع نہ کیا۔

سردیوں کا موسم تو بڑے مزے سے گزر گیا۔ راتیں اگرچہ سرد ہوتیں لیکن دِن کے وقت دھوپ میں بیٹھ کر گنے چوسنے کا ایک اپنا لطف تھا۔ بر خلاف اِس کے اُن دِنوں گرمی ناقابلِ برداشت تھی۔ ایک تو بلا کی گرمی اور دوسرے درخت نام کی چیز وہاں پر تھی کوئی نہیں۔ سورج کی آگ برساتی تیز شعاعوں سے بچنے کیلئے اپنی اِن کوٹھڑیوں کے سوا ہمارے پاس اور کوئی سایہ دار شے نہ تھی۔ چلچلاتی دھوپ میں ہماری عورتیں چارپائیاں کھڑی کر کے اُن کے سائے میں دہکتے چولہوں کے آگے بیٹھ کر ہمارے لئے روٹی ہانڈی پکاتیں۔ مئی جون میں درجہ حرارت بعض دفعہ ۵۰ ڈگری سینٹی گریڈ سے بھی تجاوز کر جاتا۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے کوئی ساٹھ ستر سال پہلے یہ علاقہ بنجر اور بے آباد تھا۔ زیرِ زمین پانی کڑوا ہونے کی وجہ سے یہاں پر خودرو جھاڑیوں کے سوا کوئی فصل وغیرہ نہ اُگتی تھی۔ لیکن مصنوعی نہروں کی بدولت اب یہ گندم، کماد اور کپاس کا گھر تھا۔ یہاں کے لوکل باشندے جو اپنی مخصوص بولی اور روایات کی وجہ سے ابھی تک جانگلی (جنگلی) کے نام سے پہچانے جاتے تھے زیادہ تر بھینسیں اور بھیڑیں پالتے۔ چوری چکاری اِن کا پیشہ تھا۔ اِن میں سے جو شخص چوری کرنا نہ جانتا تھا اُسے یہ نکما خیال کرتے۔ شروع شروع میں جب ہم یہاں آکر آباد ہوئے تو یہ لوگ ہمیں نفرت سے ''پناایں'' یعنی پناہ گزین کہہ کر چڑاتے۔

یہاں پر اپنے نئے پڑوسیوں کا مختصر سا ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ اِس اِنقلاب نے ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑہ بھان متی نے کنبہ جوڑا'' کے مصداق بھانت بھانت کے لوگ ایک جگہ اکٹھے کر دئے تھے۔ مختلف رسم ورواج، سماجی روایات، لباس، خوراک اور بولیاں بولنے والوں کو ایک ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لوکل باشندوں یہ آبادکاروں کی پنجابی یہاں کے اصلی باشندوں یعنی جانگلیوں سے مختلف تھی۔ جالندھر سے ہجرت کر کے آنے والوں کی پنجابی اُردو اور پنجابی کا ملغوبہ معلوم ہوتی تھی۔ لدھیانہ اور انبالہ والے اِسی ملغوبے کو کسی اور انداز سے بولتے تھے اور ہمارے رانگڑ بھائی جب بات کرتے تو یوں لگتا جیسے ابھی آپ کے گلے پڑنے لگے ہوں۔ تہبند کو ہم ہوشیار پور والے دھوتی کہتے جبکہ یہاں کے آبادکار تہمت، جانگلی لوگ اِسے میہلی کہتے اور ہمارے گجراتی بھائی اِسی بے چاری دھوتی کو لاچا کہہ کر مذکر بنا دیتے۔ چارپائی کو کوئی مَنجی یا منجا کہتا تو اِس بے زبان کو ہمارے جالندھر والے مِنجی بنا دیتے۔

یہی حال کچھ بے چاری بھینس کا تھا۔ اچھی بھلی بھینس کے ان پنجابیوں نے کوئی درجن بھر نام رکھے ہوئے تھے۔ ہم ہوشیار پور والوں کو تو بھینس کا صرف ایک نام پتہ تھا اور وہ تھا'' مَینھ یا مَیں'' ہمارے مِنجی والے بھائیوں نے اپنی آسانی کیلئے اِسے مھَیس بنا رکھا تھا جبکہ جانگلی اور آبادکار اپنی ایک بھینس کو تو مَجھ کہتے ایک سے زیادہ بھینسوں کے نام کے لئے اُن میں بھی اِختلاف تھا۔ آبادکار بھینسوں کو مجھاں کہتے جبکہ جانگلی لوگ اِنہیں پیار سے مجھیں کہہ کر پکارتے۔ بہر حال کئی سال تک تو ہم مہاجر اور آبادکار ایک دوسرے کے لباس اور اُن کی زبان کا مذاق اُڑا اُڑا کر دِل بہلاتے رہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ہم لوگوں کو رہائش کیلئے شرقاً غرباً ایک قطار میں تعمیر شدہ باہم مشترکہ دیواروں والی دو دو شہتیروں والی کوٹھڑیاں ملی تھیں۔ ہم سب کا ایک مشترکہ صحن تھا۔ پردے کا مناسب بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے ہماری عورتیں خاصی مشکل میں تھیں۔ چنانچہ آہستہ آہستہ اپنی اپنی کوٹھڑیوں کے دائیں بائیں ہم نے اپنی ضرورت کے مطابق کھانے پکانے کیلئے باورچی خانے اور گارے کی دیواریں بنانی شروع کر دیں اور کچھ ہی عرصہ کے بعد یہ اِحاطہ ایک کچی آبادی کی شکل اِختیار کر گیا۔ اپنے اپنے صحنوں میں اب ہم نے درخت بھی لگا لئے تھے جو چند ہی سالوں میں تن آور اور سایہ دار ہو گئے۔

قرارداد تعزیت بر موقع وفات

مکرم محترم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب مرحوم ومغفور

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کا یہ ہنگامی اجلاس، اپنے بزرگ استاد، احمدیت کے مخلص سپوت اور خلافت احمدیہ کے فدائی خادم محترم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب کی رحلت پر اپنے دِلی رنج اور دُکھ کا اظہار کرتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

محترم چوہدری صاحب مرحوم کالج کے ابتدائی اساتذہ میں سے تھے اور بلآخر اسی کالج کے پرنسپل کے عہدہ پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی علمی اور انتظامی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ کالج میں جو کام بھی ان کے سپرد ہوا اُنہوں نے اس کا حق ادا کیا۔ کھیلوں کے میدان میں وہ تیراکی، کشتی رانی اور باسکٹ بال کے انچارج رہے۔ ان کے دور میں کالج کی روئنگ ٹیم ہمیشہ پنجاب یونیورسٹی چیمپئن رہی۔ جب باسکٹ بال ان کے سپرد ہوا تو باوجود اس کے کہ ان کے لئے یہ کھیل نیا تھا انہوں نے کالج کی باسکٹ بال ٹیم کو نہ صرف بورڈ اور یونیورسٹی چیمپئن بنایا بلکہ فضل عمر کلب کو پاکستان کی اعلیٰ ترین ٹیموں کی صف میں لا کھڑا کیا۔۔یو،او،ٹی،سی۔ ہائیکنگ بھی ان کے چارج میں تھیں اور ملک کی کامیاب ترین ٹیمز تھیں۔ وہ کالج میگزین المنار کے انگریزی حصہ کے انچارج اور فضل عمر ہوسٹل کے وارڈن رہے اور ان اداروں نے نہایت قابل فخر روایات قائم کیں۔ شاعری میں وہ مضطر عارفی کا تخلص رکھتے تھے اور ان کی شاعری کو خلفاء احمدیت کی نظر میں حد درجہ پسندیدگی کا مقام حاصل تھا۔ خلفاء احمدیت کے ساتھ ان کا ایسا ہی رشتہ تھا جیسے دل کے ساتھ نبض کا ہو۔ وہ نہایت نرم گو، اپنے دوستوں اور طلباء سے حقیقی محبت کرنے والے اور ان کے لئے دعائیں کرنے والے بزرگ تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ جامعۃ المبشرین میں انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔ یورپ اور افریقہ کے بعض دَوروں میں بطور پرائیویٹ سیکریٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ہمرکاب رہنے کا اعزاز حاصل کیا۔ پھر تحریک جدید میں وکیل وقف نو، وکیل تعلیم اور وکیل التصنیف مقرر ہوئے اور تادم آخر خدمت دین کی توفیق پائی۔ جمعرات مورخہ 13۔اگست 2015 تک دوبجے دوپہر دفتر سے فارغ ہوئے اور اسی رات ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گئے۔۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

؎ بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جان فدا کر

ہم ممبران تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اس جماعتی صدمہ پر دِلی تعزیّت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خلافت احمدیہ کو ایسے قوی اور امین خدام عطا فرماتا رہے اور ہم سب کو مرحوم کے اوصاف حمیدہ کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سبھی خلافت احمدیہ کے وفا شعار خادم بن کر جماعت کی خدمت کرنے والے ہوں۔ آمین

ہم چوہدری صاحب مرحوم کے جملہ لواحقین۔ ان کے صاحبزادے محترم کرنل اعجاز احمد تنویر صاحب مقیم اسلام آباد۔ ان کی صاحبزدی محترمہ مسز ادریس احمد مقیم آسٹریلیا۔ ان کی ہمشیرگان اور ان کے بھتیجے مکرم ناصر احمد صاحب کی خدمت میں بھی اپنے دِلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کا ہر آن حامی و ناصر رہے۔

ہم ہیں حضور کے خدام ممبران تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

بذریعہ خاکسار پروفیسر حمید احمد چوہدری

صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

مرحوم چوہدری محمد علی مظطر عارفی صاحب کی یاد میں

وہ مہرباں اساتذہ۔۔۔وہ علم کے چراغ

پُر روشنی سے جن کی ہوئے فکر کے ایاغ

سادہ مزاج عالی نظر صاحبِ دماغ

وہ مکتبِ کمال ابھی یاد ہے مجھے وہ قریہء غزال ابھی یاد ہے مجھے

چوہدری محمد علی صاحب کو مرحوم لکھتے کئی بار متردد ہوا ہوں، شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ موصوف اور تعلیم الاسلام کالج ایک دوسرے کے لئے کتنے لازم وملزوم تھے۔ چوہدری صاحب سے میرا پہلا تعارف ستمبر 1956 کی کڑکتی سہ پہر دفتر سپرینٹنڈنٹ فضل عمر ہوسٹل میں ہوا جہاں میں فضل عمر ہوسٹل میں داخلہ کے لئے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کانپتی آواز میں اسلام علیکم کہہ کر پہلے سے کھڑے لڑکوں کی قطار میں دیوار سے لگ کر جا کھڑا ہوا۔ ذرا ہوش ٹھکانے لگے تو کمرے کا جائزہ لینے کا موقعہ ملا، میز کے سامنے ایک صاحب ٹوپی، کالی عینک لگائے کوٹ پینٹ پہنے بیٹھے تھے، پتہ چلا موصوف سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل چوہدری محمد علی صاحب ہیں ان کے ساتھ بائیں جانب بیٹھے ہنس مکھ صاحب پروفیسر سعید اللہ خان صاحب تھے، جو داخلہ فارموں سے پڑھ کر لڑکوں کا تعارف کروا رہے تھے، چوہدری صاحب مزید معلومات کے لیئے متعلقہ لڑکے سے کچھ سوال کرتے، اور فارم پر دستخط کر کے لڑکے کو تھماتے ہوئے "دفتر میں لے جائیں" کہتے۔ جب میری باری آئی، دل تو پہلے سے ہی دھڑک رہا تھا کہ ہم سے سوال ہوا "محمد شریف کیا تم منیر شامی کے بھائی ہو" اب سانس بھی خشک ہوا، خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے گھٹی آواز میں مشکل سے "جی" کہہ سکا۔ چوہدری صاحب اور سعید اللہ صاحب نے ایکدوسرے کی طرف دیکھا (منیر، میرے بڑے بھائی تھے جو تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے اولین طالب علم تھے تقسیم ملک کے دوران قادیان میں شہید ہوئے، خان صاحب کے کلاس فیلو تھے)، چوہدری صاحب نے فارم پر کچھ لکھا، اور یہ کہتے ہوئے اگر کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتائیں فارم مجھے تھمادیا۔ اسلام علیکم کہہ کر دفتر سے نکلا تو کچھ جان میں جان آئی۔ مجھے چار نمبر ڈارمیٹری میں سیٹ الاٹ ہوئی۔ جہاں پہلے سے تین لڑکے میرا انتظار کر رہے تھے۔ سامان رکھا تعارف ہوا، ریاض حسین مونس، کبیر والا، ملتان۔ رفیق احمد خان ساہیوال، نصرت حفیظ اللہ علوی پنڈ دادن خاں۔ مجھے دروازے کے پاس سیٹ ملی۔ ہم ایک دوسرے کا کن انکھیوں سے جائیزہ لیتے رہے تھے کہ ناگہاں گھنٹی کی آواز نے ہمیں چونکادیا، وضو کیا، نماز کے بعد کھانا، پیٹ بھر کر کھایا۔ سخت گرمی تھی۔ پسینے سے شرابور۔ سفر کے تھکے ماندے تھے چارپائی پر لیٹتے ہی گہری نیند میں ڈوب گئے۔ گھنٹی بجی عصر کی نماز چوہدریصاحب نے پڑھائی اور بخاری شریف سے ایک حدیث کا درس بڑی شستہ انگریزی زبان دلنشین انداز میں درس دیا، کچھ سمجھ آیا کچھ نہ۔ اگلے روز ہمارا کالج میں پہلا دن تھا، گرمی انتہاؤں کو چھو رہی تھی۔ گول بازار میں مجید آئرن سٹور سے دفتر کی پرچی دکھا کر پیڈسٹل فین لے آئے۔ اگلے دن کالج آفس سے آئی ڈی کارڈ کے سلسلے میں دو تصاویر جمع کروانے کا حکم ملا۔ ربوہ میں سٹوڈیوز کا علم نہیں تھا۔ سینیئرز سے پوچھا، انہوں نے چنیوٹ مین بازار میں شریف دندان ساز کی دکان کے ساتھ والے سٹوڈیو کا بتایا۔ ہم چاروں روم میٹ سٹوڈیو پہنچے، ارجنٹ تصویریں بنوائیں، دو گھنٹے بعد ملیں اسوقت تک عصر کا وقت نکل چکا تھا۔ ہوسٹل پہنچے، مغرب کی آذان ہو رہی تھی۔ نماز کے بعد کمرہ نمبر چار کے لڑکوں کو کھانے کے بعد سپرنٹنڈنٹ صاحب کے دفتر میں پہنچنے کا اعلان سنا، پہلے ہی گھبرائے ہوئے تھے۔ اب یہ کیا افتاد۔۔؟

جیسے تیسے کھانا زہر مار کیا۔ حال وبے حال دفتر پہنچے، May we come in Sir چوہدری صاحب کی رعب دار come in نے ہمارے دل مزید دھڑکا دیئے کانپتے ہوئے لرزتے قدموں کے ساتھ داخل ہوئے۔ چوہدری صاحب جلالی موڈ میں تھے۔ آپ عصر کی نماز پر کہاں تھے؟ ریاض پُر جرائت تھا۔ ہم چنیوٹ تصویر کھچوانے گئے تھے۔ آپکو پتہ نہیں چنیوٹ آپ کے لئے آؤٹ آف باؤنڈ ہے! سر، وہ کیا ہوتا ہے۔ (شائد یہ خیال کرتے ہوئے یہ فرسٹ ایئر فولوں کا ٹولہ ہے) چوہدری صاحب کے پُرغصے چہرے پر کچھ بشاشت کھل گئی۔ آپ کو چنیوٹ جانے سے پہلے مجھ سے اجازت لینی تھی۔ منتھلی رپورٹ میں آپکے والدین کو آگاہ کیا جائے گا۔ اگلے ہفتے اباجی کا سخت ڈانٹ کا خط آیا۔ وہ دن اور آج کا دن پھر ہم نے کبھی خلافِ قانون کوئی عمل کیا ہو۔ مزید پڑھائی کے سلسلہ میں چار سال کالج سے دور رہا۔ واقفِ زندگی تھا 1963 میں ایم ایس سی کے بعد کالج کے دفتر میں حاظر ہونے کی ہدایت ہوئی اور لیکچرر تعینات ہوا۔ خوش خوش دفتر سے باہر نکلا۔ باہر برآمدہ میں چوہدری صاحب سے ملاقات ہوئی، دیکھتے ہی سینے سے لگا لیا۔ اور گلوگیر آواز میں فرمایا، شریف صاحب غم نہ کریں اگلے سال پاس ہو جائیں گے۔ جب میں نے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا تو بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ چوہدری صاحب سپریٹنڈنٹ ہوسٹل کے علاوہ فلسفہ کے پرفیسر تھے، اگرچے میں چوہدری صاحب کا شاگرد نہیں رہا تھا، ایک لمبا عرصہ 1963-1975 مجھے چوہدری صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا۔ آتے جاتے کبھی چوہدری صاحب کو کالج کے کسی کلاس روم میں کلاس لیتے نہیں دیکھا تھا، حیران تھا چوہدری صاحب جیسا dutyful استاد لیسے ہو سکتا ہے کلاس نہ لیتا ہو؟ آپ کے ایک شاگرد مکرم داؤد طاہر کے درجِ ذیل بیان نے پرانے یونانی اساتزہ کی یاد تازہ کر دی:

"چوہدری محمد علی ہمیں فرسٹ ایئر میں منطق پڑھایا کرتے تھے۔ ان کا پڑھانے کا طریقہ بالکل غیر رسمی تھا۔ ممکن ہے وہ اس عرصے میں دو چار بار کلاس روم میں بھی آئے ہوں لیکن بالعموم وہ ہمیں اپنے گھر پر بلا لیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ موصوف ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ بھی تھے اور اس حوالے سے انہیں کالج کیمپس میں مکان ملا ہوا تھا۔ ہم ان کے ہاں پہنچتے تو وہ عموماً بنیان اور دھوتی میں ملبوس ہوتے۔ وہ اسی لباس میں چارپائی پر بیٹھ جاتے۔ ہم میں سے کچھ ان کے ساتھ چارپائی پر اور باقی سامنے پڑی کرسیوں اور موڑھوں پر بیٹھ کر ان کے گرد دائرہ سا بنا لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لہجے میں ایک خاص مٹھاس رکھی ہے اور پرانے واقعات کے بیان کا ملکہ عطا کیا ہے۔ وہ اپنے خوبصورت لہجے میں اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیتے اور باتوں ہی باتوں میں پڑھاتے بھی جاتے۔ اکثر اوقات وہ ہمیں کچھ کھلا پلا بھی دیتے۔ یہ ان کی شفقت ہی کا نتیجہ تھا کہ ہم شوق سے ان کے پیریڈ کا انتظار کرتے اور بغیر کسی اشد مجبوری کے اسے کبھی مِس نہ کرتے۔ ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ ہونے کے علاوہ موصوف بیک وقت کالج کے ہائیکنگ کلب، کشتی رانی کلب اور باسکٹ بال کلب کے صدر بھی تھے۔ اس اعتبار سے ان کے فرائض بہت متنوّع تھے لیکن وہ اپنی تمام ذمہ داریوں کو انتہائی خوش اسلوبی سے ادا کرتے۔ کشتی رانی کلب کے انچارج کی حیثیت میں وہ ہمیں کئی بار دریا پر لے جاتے۔ مجھے یاد ہے ایک بار ہم نے ان کی سرپرستی میں ایک رات پانی کی مخالف سمت کچھ اوپر جا کر ایک جزیرے پر گزاری۔ ہم ٹینٹ اور کھانے پینے کا خام سامان ہمراہ لے گئے تھے۔ ہم نے جزیرے پر اپنا خیمہ نصب کیا اور اینٹوں کے چولہے پر ہنڈیا اور روٹی بنائی اور یوں اس پکنک کا لطف دوبالا ہو گیا۔ "

1974 کے جماعت کے خلاف فسادات کے دوران چوہدری صاحب کالج کے پرنسپل کے علاوہ ہوسٹل کے سپریٹنڈنٹ بھی تھے۔ اس دوران گورنمنٹ کے ایما پر ربوہ ریلوے اسٹیشن پر گنڈہ گردی کی آڑ میں ربوہ جیسے پُرامن شہر میں بن امنی پیدا کرنے کی سازش کی گئی۔ اور پُرامن شہریوں کی بلا امتیاز بلا اشتعال گرفتاریاں کی گئیں، جب حکومت کی طرف سے گرفتاریوں کا دیا ہوا ہدف پورا نہ ہوا تو علاقے کا ڈی ایس پی سپاہیوں کی نفری لیکر بغیر

پرنسپل کی اجازت کے کالج پہنچا، اور مطالبہ کیا کہ مجھے 250 لڑکوں کی ہوسٹل سے گرفتاری دیدیں۔ چوہدری صاحب مرحوم نے بڑی جرائت سے اُسے کالج میں بلا اجازت داخل ہونے پر سرزنش کی اور کالج کی حدود سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اسطرح ہوسٹل میں رہنے والوں کی حفاظت کی ذمہ داری کو جرائت رندانہ سے نبھایا۔

مرحوم چوہدری صاحب، ایک ہمدرد انسان، شفیق استاد، مہربان دوست، بہترین منتظم اور قادر کلام شاعر تھے، مرحوم محمد علی سے مظطر اور عارفی کے درجات طے کرتے ہوئے یادگار شاعری ورثہ چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے، تعلیم الاسلام کالج کی یادوں میں تادیر رہیں گے۔

مجھ سے ہمیشہ پیار سے پیش آتے۔ جب 1996 میں مجھے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی چوہدری صاحب کی مبارکبادی کا پیغام ملا اور خوشی کا اظہار تھا۔ جلسے کی ڈیوٹیاں، کالج میں امتحانات کی ذمہ داریوں کے دوران ہمیشہ چوہدری صاحب مرحوم کی مہربانیوں کا مورد رہا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔ آمین

خاکسار محمد شریف خان

بیاد چوہدری محمد علی صاحب مضطر عارفی

(مکرم پروفیسر مبارک احمد عابدؔ صاحب فلاڈلفیا۔امریکہ)

نقشِ پائے یار کو اس نے بنا کر رہگزر
طے کیا اپنا مصافِ زندگانی کا سفر

جس میں تھا ہر ایک پل ''تنہائی تنہائی'' کا شور
دائرہ در دائرہ تھا اس کے جیون کا سفر

نصف شب کا تھا وہ سورج برف جس کے چار سُو
نور سے پُر اس کا سینہ اور دِل دیپک نگر

برسوں وہ اک میکدے میں ساقیء گلفام تھا
اک ہجومِ مَے گساراں اس کے تھا زیرِ اثر

نرم تر مانندِ خوشبو اس کا طرزِ گفتگو
چاند کی کرنیں فروزاں عظمتِ کردار پر

ہر کسی موسم میں ہر اک حال میں اور ہر جگہ
جانبِ دلبر رہی ہر آن نم دیدہ نظر

ذکر جب جب بھی چھڑا اس کے حسیں محبوب کا
ہونٹ اس کے کپکپائے۔ تھرتھرائی چشمِ تر

وقف کی بہرِ خدا اس نے حیاتِ مستعار
گلشنِ احمد کے تا پھولیں پھلیں برگ و شجر

فلسفہ میں طاق تھا اور ادب میں بے مثال
منفرد طرزِ سخن میں یکتائے علم و ہنر

شدّتِ احساس تھی اس کی کتابِ عمر میں
جس کے اک اک باب کا ہے ہر حوالہ معتبر

ہر قدم پر اک نئے اخلاص کا روزن کھلا
اس کی یادوں کے جو عابدؔ میں نے کھولے بام و در

میرے محسن میرے ہمدرد استاد

(عبدالشکور بھٹی فرینکفرٹ)

خاکسار نے اپریل 1961 میں سائنس کے ساتھ میٹرک کے بعد ٹی آئی کالج میں داخلہ لیا تو اس وقت میرے مضامین سائنس کے ہی تھے۔ لیکن چند قریبی دوستوں نے مشورہ دیا کہ سائنس کے مضامین ہمارے لئے مشکل ہوں گے اور دستور کے مطابق تین ماہ کے اندر مضامین تبدیل کرنے کی اجازت تھی۔ انہی ایّام میں مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب آکسفورڈ سے ایم اے فلسفہ کر کے آئے تھے اور فلسفہ کی ایک نئی کلاس کے اجراء کے لئے طلبہ کی حوصلہ افزائی لہ جاتی تھی۔ چنانچہ ہم چند دوستوں نے آپس میں مشورہ کر کے اِس کلاس میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس کلاس میں مکرم میجر لطیف احمد خاں۔ مکرم محترم ملک لال خاں صاحب۔ طاہر احمد قاضی صاحب نصیر محمود کشمیری اور خاکسار شامل تھا۔ پروفیسر مکرم چوہدری محمد علی صاحب ہماری یہ تجویز معلوم کر کے بہت خوش ہوئے اور انکی ہدایت پر مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب نے کلاس شروع کر دی۔ آغاز میں ہمیں مشکل پیش آئی مگر جب مکرم چوہدری صاحب نے کلاس لینی شروع کی تو آہستہ آہستہ دلچسپی بھی بڑھتی گئی یہاں تک کہ کلاس میں اس قدر محو ہو جاتے کہ ماوراء سے بے خبر ہو جاتے اور ہمارے دوسرے پیریڈ بھی گزر جاتے۔

محترم چوہدری محمد علی صاحب اپنے وقت کا بہت سلیقہ سے استعمال کرتے اور کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ کالج میں تدریس کے علاوہ ان کی اور بھی۔ سپریڈنٹ فضل عمر ہوسٹل۔ نگران باسکٹ بال وغیرہ انتظامی ذمہ داریاں ہوتی تھیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر ان کے ذمہ قران مجید اور کتب سلسلہ کے تراجم کا کام بھی تھا۔ آپ کو اردو انگریزی پر ایسا عبور حاصل تھا کہ موقع کی مناسبت سے الفاظ نکھر نکھر کر باہر آتے۔ فلاسفی سوسائیٹی کے صدر کی حیثیّت سے خاکسار کو ان سے واسطہ رہا اور ہر ملاقات نئی بات سیکھنے کا باعث بنی۔ آپ نے ہی مجھے باسکٹ بال کھیلنے کی تحریک کی اور الحمدللہ آپ کی نگرانی میں ہمیں اچھی کارکردگی دکھانے کا موقع ملا جو تاریخ کا حصّہ ہے۔ آپکی حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں مجھے مباحثات میں حصّہ لینے کو شوق پیدا ہوا۔ اس زمانے میں بڑے جونامور ڈیبیٹر ہوا کرتے تھے۔ ان میں ایک غیر از جماعت دوست نور محمد چانڈیو کے علاوہ جاوید گوگا۔ مسعود احمد مودی۔ لطیف احمد جاوید اور مکرم عطالمجیب صاحب راشد وغیرہم نمایاں تھے۔ 62۔1961 میں خاکسار کو یونین کی سرگرمیوں میں بطور اسسٹنٹ سیکریٹری اور 63۔1962 میں جائینٹ سیکریٹری کام کرنے کا موقع ملا۔

ان کی شفقتوں کے نتیجہ میں آج ہم ساری دنیا میں پھیلے ہوئے طلبہ کسی نہ کسی رنگ میں ان حسین یادوں کا تذکرہ کر کے جہاں اپنے دلوں میں تسکین محسوس کرتے ہیں وہاں ان بزرگان کے لئے جنہوں نے اس کالج کو ہمارے لئے ماں کی گود بنا رکھا تھا انکے لئے دل سے دعا گو ہوتے ہیں کہ خدا ان کے ساتھ بھی شفقت کا سلوک فرمائے اور ان کا صدقہ جاریہ آنے والی نسلوں کی روحانی سیرابی کا باعث ہوتا رہے۔ آمین

بسم الله الر حمٰن الرحيم

In the name of Allah, the Gracious, the Merciful
Im Namen Allahs, des Gnädigen, des Barmherzigen.

Quarterly Magazine of

T.I. College Old Students Association

Germany

English and German Section

ALMANAR

CHAUDHRY MOHAMMAD ALI NUMBER

Nov – Dec 2015

Director: Prof. Hamid Ahmad Chaudhry
Editors: Frau Munnazza Aqil Khan
Frau Dr. Saadia Raja
Manager: Chaudhry Abdul Ghafoor Dogar
Design: Muhammad Zaheer Ahmad
Printed By: Rana Mohammad Asghar Khan
A.K Print and Layout Service Tel. (49) 06721- 15 40 68

Contents

Inhalt

Nr.	Artikle	Page
1	Opening address of National Amir Herr Abdullah Uwe Wagishauser	1
2	Chaudhry Hameedullah, Wakil-e-Aala Tehrik-e-Jadid, Pakistan - Chaudhry Muhammad Ali Sahib	3
3	Imam Bashir Ahmad Rafiq, London	5
4	Engr. Mahmud Mujib Asghar, Pakistan	6
5	Dr. Mohammad Zafrullah U.S.A.	7
6	Letters and comments	8
	Urdu Section	

Opening address of National Amir Herr Abdullah Uwe Wagishauser on the occastion of Intrnational Mushaira on 1st November 2015

Today the Old Boys Association of Talim-ul-Islam College has made arrangements for a Mushaira. It is a great honour for me that I have to speak a few words before this sweet gathering. As I know, some of you have come from U.K. which has also made it interesting and more enjoyable. I am sure, the participants will also get the chance to listen the beutiful poetry from the well-known poets far and around. Through this gathering, this evening may turn into a fruitful and blessed occasion for Jama'at Ahmadiyya Germany. Inshaallah!

The writings of ***Islam's great Victorious General Hazrat Mirza Ghulam Ahmad Qadiani, Masih-e-Maud and Madi-e-Masud*** carry unending, everlasting Truth and blessings which are shining like a SUNSHINE. His versified (poetic) writings are available in three well-known languages Arabic, Persian and Urdu which is void of mortal flavour but a guide for absolute justice and wisdom containing unequalled Kalam (writings). As he himself said:-

(Couplet in Urdu)

"I have nothing to do with the poetry and poetic verses. The purpose of my poetry is that somebody may understand it through this way of expression."

Hazrat Masih-e-Maud (a.s.) writes:- The reason of expressing our work In poetic way, was that some temperaments are of such nature that if a writing is offered in prose on some important matter and even in different ways, they do not understand but if the same writing is expressed in lovely poetic manner it works and they accept the truth at once.

He further writes: The example of such natured people is just like such patient that when a physician understands that his patient does not get relief by getting the medicine through mouth, then he suggests enema for him to remove his constipation. Through this way, the patient gets health. So this is the condition of our poetry.

Our experience shows that some like poetic expression as compared to prose version which bring better results. Therefore, Qura'an was sent in rhythmical and harmonious prose. If it was not so, we had no need to express ourselves in poetic manner. When we gave arguments to understand our point of view to a good number of people, it did not prove fruitful. But when they read our poetic version, our opponents got good effect and accepted the truth at once. (Alhakam Qadian 28.08.1938 - 07.1938 page 2)

Hazrat Khalifatul Masih IV said on one occasion:-

Each each couplet and each each line of a couplet is saturated in truth and it is a reality that the (Kalam) wordings of Hazrat Masih-e-Maud (a.s.) themselves are proof of their truth. Any right-minded person whosoever listen these wordings i.e. his Kalam will confirm that this Kalam (wordings) is full of great love and excessive passion and surprisingly he will become a witness to it and spontaneously his soul will come under Ecstacy. So remember by heart the wordings of couplets of Hazrat Masih-e-Maud (a.s.) and move in villages and towns as a Darwesh, singing and repeating them in songs and announcing in loud voices informing the public that HE HAS COME THROUGH WHOM YOUR SALVATION IS BASED NOW. (Alfazl 28th June 1983).

Therefore while arranging such kind of meetings, we should keep our basic/fundamental purpose in view that we have to get our Allah the Almighty through these means. We have to draw attention of our members towards those things for which Our beloved Imam (ATBA) divert our attention from time to time and while acting upon them we have to make them as part of our lives so that we also get a blessed life.

May Allah Ta'ala bless this gathering and make our all programs fruitful and we receive His pleasure. Ameen!

بسم اللہ الرحمان الرحیم

Late Chaudhry Muhammad Ali Sahib

I was born in Qādiān. Talim –ul- Islām College Qādiān was very near to our house. Masjid Noor was our Mosque. Fazl-e-Omar Hostel Ta'līm-ul-Islām College was built next to Masjid Noor.

Once when Asar Prayer was over we heard that Huzoor (Hazrat Khalīfatul Masīh II رضی اللہ عنہ) was coming for the inauguration of the hostel.

As was usual with children of Qādiān in those days that they never missed such occasions. The children straight away went to the newly built hostel building. Please remember it was a kutcha (mud) building.

The house in which late Maulvi Muhammad Ali Sahib the leader of Lahori group of Ahmadīs lived 31 years ago had become a part of the hostel being in a corner of the hostel.

When Hazrat Khalīfatul Masīh II رضی اللہ عنہ came and delivered the inaugural speech, he pointed out to the house of late Maulvi Muhammad Ali Sahib and said that he and his associates publicly stated that in a ten years' time Christians would be occupying this place and these buildings.

Huzoor said that the name of the superintendent of Fazl-e-Omar is also Muhammad Ali. He belongs to the same district and the tribe to which Maulvi Muhammad Ali Sahib belonged. But this Muhammad Ali has stated in his address that he and his students will uphold the traditions of the Jamat and make every effort to strengthen the Jamat, so that this Jamat ultimately is victorious all over the world.

Huzoor highly praised Chaudhry Muhammad Ali Sahib, his sincerity and his capabilities.

So this was the first occasion when I saw chaudhry Muhammad Ali Sahib.

I spent five years in Fazl-e-Omar hostel. Chaudhry Sahib was very kind and considerate and did his best for the educational, moral and spiritual uplift of the students.

From 1955 onwards up to 1974 I was his colleague in T-I College.

Then we were again together in Tahrīk Jadīd from 1984 till his death on August 13, 2015.

He was strongly devoted to Khilāfat and members of Promised Messiah علیہ السلام family.

He was meek, humble and obedient.

In the last few years he had to use a walker for coming to the office from his flat which was located inside the Tahrik Jadīd office. He was very punctual. On his last day (i.e. 13th August 2015) he came to the office exactly at 7:30 AM and stayed in the office till 2:00 PM. Immediately after coming to his flat he had a heart attack which he could not survive.

He served the Jamat from 1944 to 2015. He had the privilege of working with four Khulafa. He would tell the workers in the office about his experience with different Khulafa which helped to educate our workers a lot.

(Hameedullah)

Wakīl A'lā,

Tahrīk Jadīd Anjuman Ahmadiyya Pakistan,

Dated: 30 October 2015

My dear Mohtram Professor Sahib,

Asslamo Alaikum.

اِنَّا لِلّٰہ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون

Hazrat Chaudhry Muhammad Ali Sahib was a great son of Ahmadiyyat, a beacon of light and true Muttaqi متقی and Waliullah ولی اللہ . I had the honour of seeing him for the first time in Majalis Irfan of Hazrat Khalifa II ra in Qadian. I very well remember that once Huzoor said, pointing to Ch. Sahib that Allah has given us a Mubai مبائع Muhammad Ali against a non mubai (meaning Muhammad Ali Sahib of Lahore group). As Muhammad Ali Lahori is an MA, so is Muhammad Ali Chaudhry an M.A, as Muhammad Ali Lahori is an Arain so is our Muhammad Ali, an Arain ارائیں . Muhammad Ali of Lahore boasts of his command over English language so is our Muhammad Ali whose English is much better than Muhammad Ali Lahori.

It was in 1949, that I joined T.I. College, Lahore when I had an opportunity to become closer to him. Although I was not his student he was kind and affectionate to me. Ch. Sahib was handsome, was of normal height and attractive. He was soft spoken, he was humble and a down to earth person. There was always a broad smile on his face and he was a cheerful person.

His love of the Khulufa-e-Ahmadiyyat was immense. He was very close to Hazrat Khalifa III and was his colleague in College but due to his immense love of Huzoor and the lofty Position that Huzoor was holding as a Khalifa, Ch. Sahib never raised his voice in front of him.

Ch. Sahib accompanied us in the European tours of Huzoor. I will, Insha-allah write about him later.

May Allah bless him.

Wasslam

Imam B.A. Rafiq

Prof. Chaudhry Mohammad Ali Marhoom

I know Ch Muhammad Ali Sahib since 1960 when I got admission in Talimul Islam Rabwah. He was one of the pioneer professors of the college who joined college in Qadian soon after its inception. While I was in F.Sc classes, he took our English class once or twice while our professor was on leave. I remember he laid great emphasis on pronunciation. He was very close to the Principal Hazrat Sahibzada Hafiz Mirza Nasir Ahmad. He involved him in extra-curricular activities of the college as well. He was a professor of Philosophy and students respected him much. He always greeted students with smile and tears in his eyes. It appeared he was tender hearted.

I observed him very closely when I was given the responsibility of writing a book on the life of Hazrat Khalifatul Massih (Raziallah) Hazrat Mirza Nasir Ahmad under the supervision of a committee consisting of Professor Ch Muhammed Ali sahib and Sahibzada Mirza Anas Ahmad Sahib.This work was assigned by Ahmadiyya Centenary Jubilee committee constituted by Hazrat Khalifatul Massih III in December, 1973.Hazrat Syed Mir Masood Ahmad Sahib was Secretary of Ahmadiyya Centenary Jubilee Committee who was coordinating for my assignment. When I received the letter from Mir Sahib that I have been given the responsibility of writing a book on Hazrat Khalifatul Massih III, naturally I was shaken and wrote a letter to Hazrat Khalifatul Massih IV. He replied and said that he himself gave instructions for this and he encouraged me to do the needful. The work was started by me sometime in September October 1987. The procedure was that I would write a chapter and submit a copy to each member of the supervising committee and then discuss with them twice a month. In this process I had the opportunity to meet Ch. Muhammed Ali Sahib very frequently and observe him closely. He was intoxicated with the love of Khalifatul Massih III and was eye witness of many events included in this book named HAYATE NASIR.

I found Ch. Muhammad Ali Sahib very tender hearted person, always fearing God, compassionate and sincere. He as a man of etiquettes and would never hurt anyone. If something displeased him he would convert his anger into tears.

When he died, I was attending Jalsa Salana UK and was lucky enough to participate in his Janaza Ghaib led by Hazrat Khalifatul Massih V in Hadiqatul Mehdi on 21st August, 2015 after Friday prayers. May his soul rest in peace. He will be remembered for a long time.

Engr Mahmud Mujib Asghar
Rabwah

Chaudhry Muhammad Ali M.A

(Dr. Muhammad Zafrullah U.S.A.)

Chaudhry Sahib was a prominent star among the great teachers at Talim ul Islam College Rabwah. He joined the college in Qadian in 1944 saw all the stages of success of the college at Lahore and Rabwah. No doubt he was one of those professors who served the college not only for the longest period but most efficiently, having deep impacts on the culture of the great institution. After retirement Chaudhry Sahib served the Ahmadiyya Community in various capacities.

Born in 1917, he got his Master's degree from Government College Lahore and served the academia in various capacities, here a teacher there a head of philosophy department and a delight as an Urdu poet and a writer. So he had established and distinguished himself as an academic and a literary figure before he joined the T.I. College. He also served on the Senate of the University of the Punjab. So a great Pakistani academic and a scholar has passed away people!

On paper he had an M. A. in psychology, but packed a vast amount of knowledge when he wrote or talked about a topic. He not only had an in-depth knowledge of classical logical and philosophical approaches but also was abreast of the then current philosophical trends. I learned about Jean-Paul Sartre and his Existentialism from Chaudhry Sahib.

It would be unfair not to mention his colossal command over English Punjabi and Urdu. While he was adept at teaching logic, philosophy and topics on contemporary thought he could and did teach English literature when needed. A lot of folks know him and of him through his Urdu and Punjabi poetry.

He served the college in many other capacities, as an administrator, hostel warden, college principal (i.e. President) and even as a basketball coach, and left his indelible mark everywhere. Like most of the students of T.I. College, I was not a psychology or philosophy student, but as I have indicated I did learn from him about things which I was not ordinarily supposed to know.

One other thing that I learned from Chaudhry Sahib was that you cannot make predictions about human behavior and I have actually written an Urdu article about how I learned it. See

I have often mentioned the example given by Chaudhry Sahib on the internet. The one such occasion that came up in the search was this:

Geat teacher, great guy, great servant of Jamaat Ahmadiyya! Rest in Peace Chaudhry Sahib. I wish I could see you in old age but thanks to our circumstances it was not to be.

Letters from Guests from London and their comments on Mushaira

From Imam B.A Rafiq (UK)

My dear brother Hamid Chaudhry Sahib,
السلام علیکم و رحمة الله و برکاته
After three years of my confinement in my house due to my ill health, you persuaded me to travel to Germany and attend the International Mushaira. I am grateful for this.
T.I. College old students Association is a plant that you planted a few years ago with the permission of our beloved Huzoor e Aqdas. It has now grown into a mature tree whose branches have now spread in England, America and Canada and many other countries. You along with your team of sincere friends in general and Irfan Khan in particular watered this plant with utmost care. May Allah bless you and your enthusiastic team.
I was greatly impressed by your hospitality and the warm welcome that you extended to each and every participant. The arrangements were superb and the punctuality was of a high standard. Alhamdolillah.
It was all due to your magnetic personally that attracted members from England, Holland and Germany. I enjoyed meeting many old friends in general and Sir Iftikhaz Ayaz, Mubarak Siddiqui and Rana Razzaq in particular. I am a fan of Mubarak Siddiqui's poetry and his great sense of humour.
My son Mahmood Rafiq was greatly impressed by the discipline, punctuality and hospitality that was offered by the German Old Students Association to all participants.
Please covey my heartiest thanks to your team and your family. Allah bless you all. Wasalam
B.A Rafiq
barafiq@hotmail.co.uk

From Sir. Dr. Iftikhar Ahmad Ayaz (London)

My Dear Respected Chaudhry Hamid Ahmad Sahib

President T I College Gold Students Association Germany

Assalamo Alaikum Wa Rahmatullah

It is with heartfelt appreciation that I write to express my profound thanks to you and your committee for according me the honour of participating in your Mushaira and Annual Dinner.

The whole event was in many ways both delightful and inspiring.I also wish to thank you and your hospitality team for my care and comfort.May Allah reward you all splendidly and

enable you to work in solidarity for the good of your Association.

With Affections

Iftikhar Ayaz

From Mr. Mubarik Ahmad Siddiqi (President TICOSA UK)

Mukaram wa mohtaram Chudhry Sahib

Assalmo alaikum

By the grace of Allah almighty we all reached back UK safe and sound.

I do not have enough words to thank you for organising such a magnificent and memorable event. It was honour for all of us. Your accomodation arrangements, food arrangements, your heartfelt and warm welcome all these are definitely praise worthy. I have received messages of gratitude from our members who went to Germany. Every one is saying to convey many many many and many thanks to you and your team.

However one members comments inspired me the most. He writes.

I have never been a part of such a guest group. I have never been honoured so much in any country. At night once we reached there in Germany although it was late night but we were not only warmly welcomed but also were provided delicious hot food tea and comfortable accommodation.

Others have also sent same kind of emotions. I must say your detailed planning really brought fruit. 6 hours sitting and still audience enjoyed it thoroughly. At the end of the program I asked some members that they must be tired now. Every single said they wanted this blessed majlise to continue even for a longer time

This is all blessing of khilafat. Blessing of nizame jamaat.

Please convey my heartley gratitude to all those who worked hard to make it a great success. Allah taala aapko dono jahano ki nemton khushiyon oar kamyabiyon sey serfraz kery Ameen.

I'm still down with fever. I hope it will take another week to recover from fever.

I'm sure there is a long list of members who worked hard for it. So I don't want to mention few names. Please convey them thanks from all of us and remember us in your prayers.

Wassalam

Mubarik Siddiqi

From Saleem-ul-Haq Khan (Sec. Finance TICOSA, UK)

Dear Respected Chaudhry sahib

President TICOSA Germany,

Assalamaolailkum wwb

Jazakamullah Ahsanal Jaza Fiddunia wal akhira for organising and holding such a memorable and faith inspiring event of Mushaira under the banner of TICOSA Germany on November 1, 2015 at Baitus Subuh, Frankfurt Germany.

The love and respect shown by you and your team to the members TICOSA UK humbled us all. We don't find words to thank you for the hospitality you and your team has provided during our stay in Germany. Every aspect of the occasion is an example in itself. Your dedication and enthusiasm for the cause of Association to keep the noble traditions alive is imprinted in our memories and torch bearer for the generations to come.

The attendance of respected Imam Bashir Ahmad Rafiq sahib and Dr.Sir Iftikhar Ayaz sahib was the culminating feature of the event.

We pray that May Allah abundantly bless you with healthy and happy long life and all the members of TICOSA Germany and all over. Ameen.

Request for prayers with best regards

wassalam

Humbly

Saleem-ul-Haq Khan

Sec. Finance TICOSA , UK

From Malik Nasir Javed Khan, London

Respected Prof Hamid Sb,
Assalamalikum,

I take this opportunity to extend my sincere thanks & gratitude to you and your team for organising Prof Chaudhry Mohammad Ali Mushaira and for the excellent hospitality to UK delegation.
May Allah bless you and your team. Amen.

Nasir Javed Khan
London